تقیہ قرآنی اصول

مؤلف

غلام مرتضیٰ انصاری

مترجم

سید ضامن عباس نقوی (قم المقدس)

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

نام کتاب .... تقیہ قرآنی اصول

مؤلف........................ غلام مرتضی انصاری

مترجم .... سید ضامن عباس نقوی

اردو تصحیح........................ مجاہد حسین حرؔ

پروف ریڈنگ .... خانم آر چوہدری

کمپوزنگ .... مرزا محمد علی۔قائم گرافکس۔جامعہ علمیہ۔ڈیفنس فیز ۴

ناشر .... مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ........................

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ،غزنی سٹریٹ اردو بازار۔لاہور

03214971214،04237361214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد

03335234311

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم وتفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاءاللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔

موجودہ کتاب "تقیہ قرآنی اصول" قرآن مجید سے شغف رکھنے والوں کے لئے ایک مفید تحفہ ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاءاللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطلع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ کے ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست کتاب

مقدمہ

مقدمہ تقیہ اسلامی اور قرآنی قوانین میں سے ایک قانون ہے جسے عقل بھی قبول کرتی ہے اور طبیعت بھی۔ اسی لئے ہر عاقل انسان اس پر عقیدہ رکھتا ہے۔ لیکن بعض متعصب اور اسلام دشمن عناصر اور نام نہاد علماء، اہلبیت اطہار علیہم السلام کے ماننے والوں کی دشمنی میں طرح طرح کے بیہودہ اشکالات اور جھوٹے الزامات لگا کر اپنی قرآن اور اہلبیت علیہم السلام دشمنی کو ثابت کرتے ہیں اور تقیہ کا اصل اسلامی چہرہ مسخ کر کے اسے منافقت، بزدلی، جھوٹ،۔۔۔ سے تشبیہ دے کر شیعیان حیدر کرار علیہ السلام پر قسم قسم کی تہمتیں لگاتے ہیں، جبکہ قرآن کی صریح آیتیں اس کی مشروعیت اور حقانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

اسی کے پیش نظر یہ کتاب لکھی جاتی ہے کہ دشمن اہلبیت علیہم السلام کو قرآن، حدیث، اجماع اور عقلی ٹھوس دلائل کے ساتھ قانع کنندہ جواب دیا جائے اور ان کی ناپاک عزائم کو برملا کرے۔ اس امید کے ساتھ کہ حقیقت کے طلب گاروں کے ذہنوں میں اسلام دشمن عناصر کی ایجاد کردہ اشکالات اور ابہامات اور غلط فہمیوں کو دور کر سکے، جو اس مکتب کے ماننے والوں کے بارے میں پیدا کی گئی ہیں۔

چنانچہ ان مباحث کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ تقیہ کا لغوی معنی اپنی جان بچانا ہے اور اصطلاحی تعریف، دشمن کا ہم عقیدہ ہو کر خلاف باطن زبان پر لانا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ جو بات دل میں ہے وہ حق ہو۔ یعنی دل میں ایمان اور زبان پر کفر ہو۔

تقیہ کے شرائط، آثار، اقسام اور اس کی مشروعیت کو قرآن، سنت، عقل اور فطرت کے

ذریعے ثابت کیا ہے۔

تقیہ کی تاریخی بحث کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔خصوصاً ائمہ طاہرینؑ اور ان کے ماننے والوں پر جو اعتراضات اور اشکالات کئے جاتے ہیں ان کا مستدل جواب دیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں تقیہ کے واجب ہونے، مباح ہونے، اور حرام ہونے کے موارد کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ تقیہ صرف مکتب تشیع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے تمام اسلامی اور غیر اسلامی مکتب فکر والے بھی تقیہ کرنے کو ایک عاقلانہ فعل سمجھتے ہیں۔اگر کوئی اس کو خلاف عقل اور شریعت سمجھتا ہے تو خود اس کی عقل اور عقیدہ پر شک کرنا چاہئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ قرآن اور روایات میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اللہ کے پاک نبیوں کی سیرت میں بھی جگہ جگہ ملتی ہے تو پھر کیوں صرف شیعوں پر الزام تراشی کرتے ہیں؟

جواب بہت سادہ ہے، وہ یہ ہے کہ پوری تاریخ میں شیعیان حیدر کرارؑ ہر زمانے میں حکومت اور خلافت کیلئے آنکھوں کا خار بنتے رہے، اور ہمیشہ ظالم و جابر حاکموں کے خلاف آواز بلند کرتے رہے۔جس کی وجہ سے ظالموں کے ظلم وبربریت کا شکار اور قتل ہوتے رہے، اور اپنی جان بچانے کیلئے تقیہ کے ذریعے اپنے عقائد اور اعمال کو چھپانے پر مجبور ہوتے رہے۔

تقیہ کے اسباب انسان اپنی جان، مال، ناموس اور عزت کو بچانے کے خاطر بعض اوقات تقیہ کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور یہ اسباب ہر انسان کیلئے مختلف ہوتے ہیں۔اس کتاب کے دوسرے حصے میں وہابیوں کی طرف سے کئے ہوئے اشکالات کا جواب دیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ تقیہ نہ بدعت ہے نہ جھوٹ اور بہتان ہے، نہ علم امامت کے منافی ہے، نہ سلونی سلونی قبل ان تفقدونی سے منافات رکھتا ہے، اور نہ حرام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلال کا باعث ہے نہ اس کے برعکس اور نہ جہاد کے منافی ہے اور نہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے منافی ہے۔

ان مباحث کے ذیل میں خود وہابیوں سے کچھ سوال کئے گئے ہیں کہ کس طرح تقیہ کو دوسروں پر تہمت لگانے کا وسیلہ بنا دیتے ہو جبکہ قرآن مجید میں تقیہ کرنے والوں کی اللہ اور ان کے رسول نے مدح سرائی کی ہو؟!

اور یہ بھی یاد رہے کہ اس موضوع کو اس لئے انتخاب کیا ہے کہ مختلف ممالک جیسے پاکستان، افغانستان، ہندوستان، عربستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں سادہ لوح مسلمانوں کو شیعیت کے خلاف اکسانے اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں عداوت ،نفرت، شکوک اور دشمنی پیدا کرنے کی ناپاک کوششیں کی جارہی ہے، کا سد باب ہو سکے۔ اس امید کے ساتھ حقیقت کے طلب گاروں کیلئے مکتب قرآن اور اہلبیت علیہم السلام تک رسائی کا یہ ایک وسیلہ بنے ،قرآن کریم کی آیات، اہلبیت اطہارؑ کے فرامین اور اسلامی دانشوروں اور عالموں کے بیانات کو ایک کتاب کی شکل میں تالیف کرنے کی کوشش کی گئی ہے، خدا تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ تمام عالم انسانیت کو راہ حق اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے اور جو ہدایت یافتہ ہیں ان کو ثابت قدم رکھ، اور امر بہ معروف و نہی از منکر کرنے والوں کی توفیقات میں اضافہ فرمائیے۔ آمین

والسلام علی من اتبع الہدی

غلام مرتضی انصاری

۶ محرم الحرام ۱۴۲۹

پہلی فصل:

کلیات تعریف

تقیہ کی لغوی تعریف، تقوی اور اتقاء ہے جس سے مراد پرہیز کرنا، اپنے کو بچانا اور مراقبت کرنا ہے۔

اور اصطلاحی تعریف یہ ہے:

التقیة ستر الاعتقاد و مکاتمة المخالفین و ترك مظاهرتهم بما یعقب ضررا فی الدین والدنیا۔ [1]

یعنی تقیہ سے مراد اپنے اعتقادات کو دشمنون سے چھپا رکھنا، تا کہ دینی اور دنیوی اور جانی نقصان سے محفوظ رہے۔

اس تعریف میں دو مطلب دیکھنے میں آتے ہیں: ایک یہ کہ اپنی باطنی اعتقاد کا چھپانا، دوسرا معنوی اور مادی نقصان کے وارد ہونے سے پہلے دفاع کرنا۔ اور اگر اجتماعی اور انفرادی مفاد اور مصلحتوں میں ٹکراؤ ہوجائے تو اجتماعی منفعتوں اور مصلحتوں کو ذاتی اور شخصی مفادات پر مقدم رکھنا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے ذریعے جو آثار ہم تک پہنچے ہیں ان میں تقیہ؛ حسنہ، مؤمن کی ڈھال

---

[1] صفری، نعمت اللہ؛ نقش تقیہ در استنباط، ص ۴۶۔

، اضطرار ، افضل الاعمال ، میزان المعرفۃ ، حفظ اللسان ،توریۃ،عبادۃ السریہ ، وقایۃ الدین، سلامت، خیرالدنیا وغیرہ کے نام سے پہچنوایا گیا ہے۔ [۱]

شیخ انصاری ؒ اور تقیہ کی تعریف آپ "رسالہ فی التقیہ " میں فرماتے ہیں:

المراد من التقیة هنا التحفظ عن ضرر الغیر بموافقته فی قول او فعل مخالف للحق۔ [۲]

تقیہ سے مراد اپنے آپ کو دشمنوں کے کہنے کے مطابق عمل کرتے ہوئے ان کے شر اور نقصان سے بچانا ہے۔ اگرچہ ظاہراً حق کے خلاف کرنا پڑے۔ لیکن یہ تعریف جامع تعریف نہیں ہے کیونکہ تقیہ کی کئی اقسام جیسے مدارات والا تقیہ اس میں نہیں آسکتی۔

شہید اول رحمۃ اللہ علیہ اور تقیہ کی تعریف شہید اپنی کتاب (القواعد) میں فرماتے ہیں:

التقیة مجاملة الناس بما یعرفون و ترك ما ینكرون حذرا من غوائلهم۔ [۳]

یعنی تقیہ سے مراد لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت رکھنے کے خاطر جانتے ہوئے بھی کئی کاموں کو چھوڑ دینا، تاکہ دردسر سے بچ جائے۔

یہ تعریف زیادہ تر مداراتی تقیہ کی طرف اشارہ کرتی ہے، جس میں پوری انسانیت خواہ مسلمان ہو یا کافر، مخالف ہو یا موافق، سب شامل ہیں، کہ انسانیت کے ناطے ایک دوسرے پر رحم کرے اور احترام کی نگاہ سے دیکھے۔ اس سلسلے میں اگر تقیہ کرنے پر مجبور ہوجائے تو اس کے لئے ضروری ہے، تقیہ کرے۔

---

[۱] محب الاسلام؛ شیعہ می پرسد، ج ۲، ص ۲۸۱۔

[۲] شیخ اعظم انصاری؛ رسائل الفقہیہ ،ص ۷۱۔

[۳] عاملی دمشقی ؛ للقواعد والقوائد، ج ۲، ص ۱۵۵۔

تقیہ کی جامع اور مانع تعریف

تقیہ کے مختلف موارد کے پیش نظر درج ذیل تعریف جامع اور مانع تعریف ہوگی:

التقیة اخفاء حق عن الغیر ا واظهار خلافه لمصلحة اقوی۔ [1]

تقیہ، حق کو دوسروں کی نظروں سے چھپانے کیلئے مخالفت کا اظہار کرنا، اس شرط کے ساتھ کہ چھپائی جانے والی مصلحت، اظہار کرنے والی مصلحت سے زیادہ مہم تر ہو۔اس عبارت میں (اخفاء حق اور اظہار خلاف) یہ دو ایسی عبارت ہے جس میں چھپائے جانے والا تقیہ اور نہ چھپائے جانے والا تقیہ اور مدارات والا تقیہ شامل ہوجاتا ہے۔لیکن کلمہ مصلحت جو تعریف کا ثقیل ترین اور لغوی اور اصطلاحی معانی کے درمیان ارتباط پیدا کرنے والا نکتہ ہے اور اس طرح مصلحت یعنی مفسدہ کا دفع کرنا اور منفعت کا جلب کرنا مراد ہے۔جس کی تقسیم بندی کچھ یوں کی جاسکتی ہے:

مصلحت کی قسمیں

مصلحت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔نقصان سے بچنا" دفع ضرر"

۲۔منفعت حاصل کرنا ہے" جلب منفعت"

نقصان سے بچنا انفرادی ہو یا اجتماعی۔

انفرادی نقصان خود تین طرح کے ہیں:

۱۔جانی نقصان ۲۔مالی نقصان

۳۔شخصیت کو ٹھیس پہنچنا۔

---

[1] صفری، نعمت اللہ؛ نقش تقیہ در استنباط، ص۵۱۔

اجتماعی نقصان خود چار قسم کی ہیں:

۱۔دین اسلام کوضرر پہنچنا، ۲۔مذہب تشیع کوضرر پہنچنا،

۳۔مسلمانوں کوضرر پہنچنا، ٤۔شیعوں کوضرر پہنچنا۔

جلب منفعت بھی دوقسم ہیں:

۱۔انفرادی ہے جوتقیہ کا مصداق نہیں بن سکتا،

۲۔اجتماعی ہے جس کی خود تین صورتیں بنتی ہیں:

۱۔مسلمانوں کے درمیان اتحاداور وحدت کی حفاظت کرنا۔

۲۔دین اسلام کیلئے عزت اورآبروکاباعث بننا۔

۳۔مکتب تشیع کیلئے عزت اورآبروکاسبب بننا۔[۱]

روایات میں تقیہ کے نام: روایات میں تقیہ کے مختلف نام آئے ہیں۔جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

ا۔دین اللہ، جنہ،ترس،حصن،صون،شعار،ایمان،عزۃ،قرۃ العین،سنن الانبیاء،سر، حرز،حسأ،حجاب، مداراۃ،ضرورہ، اضطرار، افضل الاعمال، میزان المعرفۃ، حفظ اللسان،عبادہ، توریۃ،عبادۃ السریہ،وقایۃ الدین،سلامت،خیرالدنیاو۔۔۔۔[۲]

تقیہ کے آثاراورفوائدشہیدوں کے خون کی حفاظت

تقیہ کا بہترین فائدہ شہیدوں کے خون کی حفاظت ہے۔یعنی پوری تاریخ میں شیعیان علیؑ مظلوم واقع ہوتے رہے ہیں۔ جب بھی ظالموں کے مظالم کا نشانہ بنتے تھے تقیہ کر کے اپنی

---

[۱] صفری،نعمت اللہ؛نقش تقیہ دراستنباط،ص ۵۲

[۲] عادل علوی؛التقیہ بین العلام،ص ۵۳۔

جان بچاتے تھے۔

چنانچہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اے ہمارے شیعو! تم، لوگوں کے درمیان ایسے ہو جیسے پرندوں کے درمیان شہد کی مکھی ہے۔ اگر پرندوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ شہد کی مکھی کے پیٹ میں شہد موجود ہے، تو سارے شہد کی مکھیوں کو کھا جاتے اور ایک بھی زندہ نہیں چھوڑتے؛ اسی طرح اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ تمھارے دلوں میں ہم اہل بیت علیہم السلام کی محبت موجود ہے تو تمھیں زخم زبان کے ذریعے کھا جائیں گے اور ہر وقت تمھاری غیبت اور بدگمانی میں مصروف رہیں گے۔ خدا ان لوگوں پر اپنی رحمت نازل کرے جو ہماری ولایت کو مانتے ہیں۔ [1]

اسلام کی حفاظت اور تقویت

یہ تقیہ کا دوسرا فائدہ ہے کہ اہل بیتؑ، اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور تقویت کیلئے زیادہ کوشش کرتے تھے، تا کہ اسلامی معاشرہ ایک واحد اور قدرت مند معاشرہ بنے، تا کہ اسلام دشمن عناصر کبھی بھی اس معاشرے پر آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ کرسکیں۔

اس عظیم مقصد کے حصول کے خاطر ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنے چاہنے والوں کو سخت تاکید فرماتے تھے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى الصَّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ع وَ عِنْدَهُ نَفَرٌ مِنَ الشِّيعَةِ فَسَمِعْتُهُ وَ هُوَ يَقُولُ مَعَاشِرَ الشِّيعَةِ كُونُوا لَنَا زَيْناً وَ لَا تَكُونُوا عَلَيْنَا شَيْناً قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً احْفَظُوا أَلْسِنَتَكُمْ وَ كُفُّوهَا عَنِ الْفُضُولِ وَ قَبِيحِ الْقَوْلِ۔ [2]

---

[1] علامہ کلینی؛ اصول کافی، ج ۲، ص ۲۱۸۔۔

[2] ا۔أمالی الصدوق، ص ٤٠٠، جلسہ ٦٢۔

چنانچہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اے ہمارے شیعو! خبردار! کوئی ایسا کام انجام نہ دیں، جو ہماری مذمت کا سبب بنے۔ لوگوں کے ساتھ اچھی گفتگو کیا کریں، اپنی زبانوں کی حفاظت کریں اور فضول اور نازیبا باتیں کرنے سے باز آئیں۔

عَنْ هِشَامٍ الْكِنْدِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ ع يَقُولُ إِيَّاكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا عَمَلًا نُعَيَّرُ بِهِ فَإِنَّ وَلَدَ السَّوْءِ يُعَيَّرُ وَالِدُهُ بِعَمَلِهِ كُونُوا لِمَنِ انْقَطَعْتُمْ إِلَيْهِ زَيْناً وَ لَا تَكُونُوا عَلَيْهِ شَيْناً صَلُّوا فِي عَشَائِرِهِمْ وَ عُودُوا مَرْضَاهُمْ وَ اشْهَدُوا جَنَائِزَهُمْ وَ لَا يَسْبِقُونَكُمْ إِلَى شَيْءٍ مِنَ الْخَيْرِ فَأَنْتُمْ أَوْلَى بِهِ مِنْهُمْ وَ اللَّهِ مَا عُبِدَ اللَّهُ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الْخَبْءِ قُلْتُ وَ مَا الْخَبْءُ قَالَ التَّقِيَّةُ۔ [1]

راوی کہتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: خبردار! تم کوئی ایسا کام کرنہ بیٹھیں جس کی وجہ سے ہمیں ذلت اٹھانا پڑے کیونکہ جب بھی کوئی اولاد برا کام کرتی ہے تو اس کے والدین کی لوگ مذمت کرنے لگتے ہیں۔ جب کسی سے دوستی کرنے لگے اور اس کی خاطر دوسروں سے دوری اختیار کرے؛ اس کیلئے زینت کا باعث بنیں نہ مذمت اور بدنامی کا باعث۔ برادران اہل سنت کی نماز جماعت میں شرکت کریں، ان کے مرنے والوں کے جنازے میں شریک ہوجائیں، ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ تم سے کار خیر میں آگے ہوں، کیوں کہ اچھے کاموں میں تم لوگ ان سے زیادہ سزاوار ہیں۔ خدا کی قسم! حباٗ سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے۔ کسی نے سوال کیا: اے فرزند رسولؐ خباء سے کیا مراد ہے؟! تو امام نے جواب دیا: اس سے مراد تقیہ ہے۔

عَنْ أَبِي أُسَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ ع يَقُولُ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَ الْوَرَعِ وَ الِاجْتِهَادِ وَ صِدْقِ الْحَدِيثِ وَ أَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَ حُسْنِ الْخُلُقِ وَ حُسْنِ الْجِوَارِ وَ كُونُوا دُعَاةً إِلَى أَنْفُسِكُمْ بِغَيْرِ أَلْسِنَتِكُمْ وَ كُونُوا زَيْناً وَ لَا تَكُونُوا

---

[1] وسائل الشیعۃ، باب وجوب عشرۃ العامۃ بالتقیۃ، ج۱۶،ص۲۱۹۔

شَيْناً وَ عَلَيْكُمْ بِطُولِ الرُّكُوعِ وَ السُّجُودِ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَطَالَ الرُّكُوعَ وَ السُّجُودَ هَتَفَ إِبْلِيسُ مِنْ خَلْفِهِ وَ قَالَ يَا وَيْلَهُ أَطَاعَ وَ عَصَيْتُ وَ سَجَدَ وَ أَبَيْتُ.[1]

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: تم پر لازم ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرے، کوشش اور تلاش کرے، سچ بات، امانت میں دیانت داری دکھائے، اچھے اخلاق کا مالک بنے، اور اچھا پڑوسی بنے، اور لوگوں کو زبانی نہیں بلکہ اپنے کردار کے ذریعے اچھائی کی طرف بلائیں اور ہمارے لئے باعث افتخار بنے نہ باعث ذلت اور رسوائی اور تم پر لازم ہے کہ طولانی رکوع اور سجدے کیا کریں؛ جب تم میں سے کوئی رکوع اور سجود کو طول دیتا ہے تو اس وقت شیطان اس کے پیچھے سے چیخ وپکار کرنے لگتا ہے، اور کہتا ہے: واویلا! اس نے خدا کی اطاعت اور بندگی کی، لیکن میں نے نافرمانی کی، اس نے خدا کیلئے سجدہ کیا اور میں نے انکار کیا۔

اگر ان دستورات کو آپ ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ائمہ طاہرینؑ کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا ہوں اور صلح وصفا کے ساتھ زندگی کریں۔

شرائط تقیہ

تقیہ ہر صورت اور ہر موقع اور ہر جگہ صحیح نہیں ہے بلکہ خاص شرائط اور زمان ومکان میں جائز اور مطلوب ہے۔ جہاں باطل اور ناجائز کاموں کا اظہار کرنا جائز ہو؛ صرف وہاں تقیہ کر سکتا ہے۔ اسی لئے تقیہ کے شرائط اور اسباب کچھ اس طرح تنظیم ہوا ہے کہ اس کام کے بطلان اور

---

[1] کافی، باب الورع، ج۲، ص۷٦۔

قباحت کو اٹھائے گئے ہو۔ شیخ الطائفہ (طوسی رحمۃ اللہ علیہ) اپنے استاد سید مرتضی رحمۃ اللہ علیہ سے فعل قبیح کے مرتکب ہونے کے لئے تین شرط نقل کرتے ہیں:

١۔اپنی جان کیلئے خطرہ ہو،یعنی اگر اس قبیح فعل کو انجام نہ دے تو جان سے مار دینے کا خطرہ ہو۔

٢۔اس باطل فعل کے انجام دینے کے سوا کوئی اور چارہ نہ ہو۔

٣۔قبیح فعل کے انجام دینے پر مجبور کیا جا رہا ہو۔

اگر یہ تین شرطیں موجود ہو تو اس کام کی قباحت بھی دور ہو جاتی ہے۔[1]

---

[1] یزدی، دکتر محمود؛ اندیشہ ہای کلامی شیخ طوسی۔

دوسری فصل

تقیہ تاریخ کے آئینے میں

الف: ظہور اسلام سے پہلے

تاریخی اعتبار سے تقیہ کی ضرورت انسان کو اس وقت محسوس ہوتی ہے، جب وہ اپنے آپ کو دشمن کے سامنے عاجز محسوس کرے اور یہ عاجزی انسان میں گام بہ گام احساس ہونے لگتا ہے اور یہ ایک طبیعی چیز ہے کہ انسان اس خوف اور ہراس کو اپنے سے دور کرنے کی فکر کرے اور اس طبیعی امر میں تمام عالم بشریت حتی تمام ذی روح " حیوانات " بھی شریک ہیں۔

تقیہ کا مفہوم بہت وسیع ہے اس لئے اسے زندگی کے صرف ایک حصے سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ زندگی کے تمام پہلو میں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔خواہ یہ اخطار بھوک اور پیاس کی شکل میں ہو یا گرمی ،سردی اور بیماری کی شکل میں ہو؛ انسان ان خطرات سے بچنے کیلئے کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر لیتا ہے۔لیکن ان طبیعی خطرات میں کوئی جنگ وجدال کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن غیر طبیعی خطرات اور مشکلات کے موقع پر جیسے اپنے کسی مسلمان بھائی پر ظلم وستم کو روکنے کا سبب ہو تو تقیہ کرنا بہتر ہے۔

اس فصل میں ہم بہت ہی اختصار کے ساتھ انبیاء اور اولیاء الٰہی نے جہاں جہاں تقیہ

کئے ہیں؛ان موارد کو بیان کریں گے:

حضرت آدمؑ اور تقیہ

سب سے پہلی سزا اپنے بھائی کے حسد اور دشمنی کی بنا پر قتل کرنے کی وجہ سے ملی وہ حضرت آدم ہی کے زمانے میں ان کے بیٹے کو ملی۔قرآن اس واقعے کو کچھ یوں بیان فرمارہا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِن أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَاْ بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لَأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ إِنِّي أُرِيدُ أَن تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاء الظَّالِمِينَ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ [1]

اور آپ انہیں آدم کے بیٹوں کا حقیقی قصہ سنائیں جب ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو اس نے کہا: میں تجھے ضرور قتل کروں گا، (پہلے نے) کہا: اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں، میں تو عالمین کے پروردگار اللہ سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اپنے گناہ میں تم ہی پکڑے جاؤ اور دوزخی بن کر رہ جاؤ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ چنانچہ اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل کی ترغیب دی اور اسے قتل کر ہی دیا، پس وہ خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔

تاریخ بتاتی ہے چونکہ ہابیل حضرت آدمؑ کا وصی اور جانشین تھے، ان کی شہادت کے

---

[1] سورہ مائدہ ۲۷ تا ۳۰۔

بعد خلافت اور جانشینی ان کے بھائی شیث کی طرف منتقل ہوئی اور سب سے پہلے جس نے تقیہ کیا وہ حضرت شیثؑ تھا، جس نے قابیل سے تقیہ کیا کہ اسے خدا تعالیٰ نے علم عطا کیا تھا۔ اگر وہ تقیہ نہ کرتے تو روی زمین عالم دین سے خالی ہو جاتا۔ [1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم کے خلاف مقاومت اور مقابلہ کرنے سے عاجز اور ناتواں ہونے کی صورت میں تقیہ کرنا جائز ہوتا ہے۔

اور یہ ایک فطری چیز ہے کہ حضرت ہابیل نے جو چیز اسے خدا کی طرف سے عطا ہوئی تھی، اپنے بھائی قابیل سے چھپایا اور یہ ان کا چھپانا صرف اس لئے تھا کہ حق کو نا اہل لوگوں کے ہاتھ لگنے سے بچایا جائے۔

اور یہ ایک ایسی سنت ہے جس پر سارے انبیاء، اولیآء اور صالحینؑ نے عمل کئے ہیں۔

طبری نے اپنی تاریخ میں روایت نقل کی ہے کہ: حضرت آدمؑ اپنی وفات سے پہلے گیارہ دن مریض ہوئے اور اپنے بیٹے شیثؑ کو اپنا جانشین بنانے کے بعد فرمایا: میری یہ وصیت نامہ قابیل سے چھپائے رکھنا۔

حضرت ابراہیمؑ اور تقیہ

ابراہیم خلیلؑ نے بت پرستون اور مشرکون کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملایا؛ یہاں تک کہ ان کی قوم اسے آگ میں جلانے کے لئے تیار ہوگئ۔ قرآن اس واقعے کو یوں بیان فرما رہا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِه عَالِمِينَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا

---

[1] التقیہ فی فقہ اہل البیتؑ، ج ۱، ص ۱۵۔

عَابِدِينَ قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ قَالُوا مَن فَعَلَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ قَالُوا أَأَنتَ فَعَلْتَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِن كَانُوا يَنطِقُونَ فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنتُمُ الظَّالِمُونَ ثُمَّ نُكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰؤُلَاءِ يَنطِقُونَ۔ [1]

اور بہ تحقیق ابراہیم کو پہلے ہی سے عقل کامل عطا کی تھی اور ہم اس کے حال سے باخبر تھے جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے کہا: یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے گرد تم جمے رہتے ہو؟ کہنے لگے: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا: یقیناً تم خود اور تمہارے باپ دادا بھی واضح گمراہی میں مبتلا ہیں۔ وہ کہنے لگے: کیا آپ ہمارے پاس حق لے کر آئے ہیں یا بیہودہ گوئی کر رہے ہیں؟ ابراہیم نے کہا: بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اس بات کے گواہوں میں سے ہوں اور اللہ کی قسم! جب تم یہاں سے پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے ان بتوں کی خبر لینے کی تدبیر ضرور سوچوں گا۔ چنانچہ ابراہیم نے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا سوائے ان کے بڑے (بت) کے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ وہ کہنے لگے: جس نے ہمارے معبودوں کا یہ حال کیا ہے یقیناً وہ ظالموں میں سے ہے۔ کچھ نے کہا: ہم نے ایک جوان کو ان بتوں کا (برے الفاظ میں) ذکر

---

[1] انبیاء: ۵۱ تا ۶۵۔

کرتے ہوئے سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں۔ کہنے لگے: اسے سب کے سامنے پیش کرو تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں۔ کہا: اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کا یہ حال تم نے کیا ہے؟ ابراہیم نے کہا: بلکہ ان کے اس بڑے (بت) نے ایسا کیا ہے سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ (یہ سن کر) وہ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور کہنے لگے: حقیقتاً تم خود ہی ظالم ہو۔ پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھے ہو گئے اور (ابراہیم) سے کہا: تم جانتے ہو یہ نہیں بولتے۔

بخاری روایت کرتا ہے: حضرت ابراہیمؑ تین جھوٹ بولے: اس میں سے دو خدا کی ذات کے بارے میں ‹‹ قولہ انی سقیم ›› اور ‹‹ بل فعلہ کبیر ہم ›› تیسرا جھوٹ اپنی بیوی سارہ کے بارے میں، جو خوبصورت تھی، اور فرعون کو کسی نے ان کی لالچ دکھائی تھی۔ فرعون نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور حضرت ابراہیم سے سوال کیا: یہ جو تمھارے ساتھ آئی ہے وہ کون ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: یہ میری بہن ہے اور ادھر سارا سے بھی کہہ رکھا تھا کہ تو بھی میری بات کی تائید کرے، درحالیکہ خود ان کی بیوی تھی۔ حضرت ابراہیم کا تقیہ کرنے کا سبب یہی تھا کہ اپنی جان بچائی جائے، کیونکہ فرعون ابراہیم کو قتل کرنا چاہتا تھا۔

حضرت یوسفؑ اور تقیہ

حضرت یوسفؑ کا واقعہ بہت طولانی اور معروف ہے، اس لئے خلاصہ کلام بیان کروں گا وہ یوں ہے: فرمایا:

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ۔ [1]

اس کے بعد جب یوسف نے ان کا سامان تیار کرا دیا تو پیالہ کو اپنے بھائی کے سامان

[1] سورہ یوسف/ ۷۰۔

میں رکھوا دیا اس کے بعد منادی نے آواز دی کہ قافلے والو تم سب چور ہو۔

اسی سے استدلال کرتے ہوئے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

التقیه من دین الله۔ قلت: من دین الله؟ قال علیہ السلام: ای والله من دین الله لقد قال یوسف علیہ السلام: ایتها العیر انکم لسارقون والله ما کانوا سرقوا شی۔ [1]

تقیہ دین خدا میں سے ہے، میں نے سوال کیا: کیا دین خدا میں سے ہے؟ تو فرمایا: ہاں خدا کی قسم؛ دین خدا میں سے ہے بے شک یوسف پیغمبرؑ نے فرمایا: اے قافلہ والو بدون شک تم لوگ چور ہو؛ درحالیکہ خدا کی قسم انہوں نے کوئی چوری نہیں کی تھی۔

حضرت موسیٰؑ اور تقیہ

قرآن کریم نے حضرت موسیٰؑ کی شجاعت کے بارے میں کئی دفعہ اشارہ کیا ہے کہ کس طرح فرعون کے ساتھ روبرو ہوا، حضرت موسیٰ کو بہت سے پیغمبروں پر فضیلت حاصل ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ۔ [2]

یہ سب رسولؑ وہ ہیں جنہیں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے خدا نے کلام کیا ہے اور بعض کے درجات بلند کئے ہیں۔

ان تمام شجاعت اور فضیلتوں کے باوجود اپنی زندگی میں کئی موقعوں پر لوگوں کو رسالت کی تبلیغ کے دوران تقیہ کئے ہیں اور یہ تقیہ اپنی جان کے خوف سے نہیں بلکہ باطل کا حق پر غلبہ

---

[1] تاریخ الامم والملوک، ج ۱، ص ۱۷۱۔

[2] سورہ بقرہ ۲۵۳۔

پانے کے خوف سے کئے ہیں۔ جب خدا نے موسیٰ اور ہارونؑ کو حکم دیا:

اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى۔ [1]

تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔اس سے نرمی سے بات کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا خوف زدہ ہوجائے۔

اور فرعون کے ساتھ نرم اور میٹھی زبان میں بات کرنا اور اعلان جنگ نہ کرنا، جبکہ وہ طغیان اور نافرمانی کے عروج پر تھا؛ ایک قسم کا تقیہ ہے۔البتہ یہ تقیہ مداراتی تھا نہ خوفی۔لیکن اصحاب موسیٰؑ کے بارے میں قرآن مجید اشارہ کرتا ہے:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ۔ [2]

فرعون نے روئے زمین پر بلندی اختیار کی اور اس نے اہلِ زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کردیا کہ ایک گروہ نے دوسرے کو بالکل کمزور بنادیا وہ لڑکوں کو ذبح کردیا کرتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھا کرتا تھا۔ وہ یقیناً مفسدین میں سے تھا۔

یہ خوف لوگوں کا تھا نہ اپنی جان کا۔لیکن ولادت حضرت موسیٰؑ کے بارے میں قرآن کہہ رہا ہے کہ جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو قبول کرلی تھی، اپنے ایمان کو دلوں میں چھپائے رکھے تھے، جب تک موسیٰؑ نے علیٰ الاعلان دعوت کرنا شروع کیا۔

تاریخ میں آپ کے بعض اصحاب اور مؤمنوں کی تاریخ کو قرآن نے ثبت کیا ہے؛ جو درج ذیل ہیں:

---

[1] سورہ طہ ۴۳، ۴۴۔

[2] سورہ قصص ۴۔

مؤمن آل فرعون اور تقیہ

قرآن فرمارہاہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُه وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۔ [1]

اور فرعون والوں میں سے ایک مرد مومن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، یہ کہا کہ کیا تم لوگ کسی شخص کو صرف اس بات پر قتل کررہے ہو کہ وہ کہتاہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا عذاب اس کے سر ہوگا اور اگر سچا نکل آیا تو جن باتوں سے ڈرارہاہے وہ مصیبتیں تم پر نازل بھی ہوسکتی ہیں۔ بیشک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی رہنمائی نہیں کرتاہے۔

ابن کثیر لکھتاہے: یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا اور اپنا ایمان کو اپنی قوم سے چھپار کھا تھا۔ جس کے نام میں مورخین نے اختلاف کیا ہے؛ کسی نے کہا آپ کا نام شمعان تھا، کسی نے کہا حزقیل تھا۔ بہر حال جب فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا اور اپنے حواریوں سے مشورت کرنے لگا، تو مؤمن اس ناپاک سازش سے آگاہ ہوا تو سخت فکر مند ہوا، فرعون کو یوں مشورہ دیا:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ ؟!

---

[1] غافر۲۸۔

اورفرعون والوں میں سے ایک مردمؤمن نے جواپنے ایمان کوچھپائے ہوئے تھا یہ کہا کہ کیاتم لوگ کسی شخص کوصرف اس بات پرقتل کررہے ہوکہ وہ کہتاہے کہ میراپروردگار اللہ ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى۔ [۱]

فرعون نے کہا کہ میں تمھیں وہی باتیں بتارہاہوں جومیں خودسمجھ رہاہوں۔

ثعلبی نے لکھا ہے اس شخص کا نام حزقیل ہے اور یہ اصحاب فرعون میں سے تھااور وہی ترکھان تھا جس نے حضرت موسیٰؑ کی ماں کیلئے وہی صندوق بنا کر دیا تھا جس میں ڈال کر موسیٰ کو دریائے نیل میں ڈال دیا گیا تھا۔

قَالَ الصادق علیہ السلام :إِنَّ مَثَلَ أَبِي طَالِبٍ مَثَلُ أَصْحَابِ الْكَهْفِ أَسَرُّوا الْإِيمَانَ وَأَظْهَرُوا الشِّرْكَ فَآتَاهُمُ اللَّهُ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ۔ [۲]

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: بے شک ابوطالب کی مثال اصحاب کہف کی مثال ہے، انہوں نے اپنا ایمان چھپائے رکھا اورشرک کا اظہار کیا، خدا تعالیٰ انہیں قیامت کے دن دو دفعہ ثواب عطا کریگا۔

امام حسن العسکریؑ نے فرمایا:

ان اباطالب کمؤمن آل فرعون یکتم ایمانه۔ [۳]

فرماتے ہیں: حضرت ابوطالبؑ بھی مؤمن آل فرعون کی طرح اپنا ایمان کفارقریش سے چھپارکھاتھا۔

---

[۱] غافر ۲۹۔

[۲] الکافی باب مولد النبی ص ووفاتہ، ج۱،ص ٤٤٨۔

[۳] وسائل الشیعہ ، ج۱۱،ص۔ ۸۳

آسیہ بنت مزاحم اور تقیہ

آپ فرعون کی بیوی ہے قرآن نے آپ کے بارے میں فرمایا:

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهِ وَ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ [۱]

اور خدا نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی زوجہ کی مثال بیان کی ہے کہ اس نے دعا کی کہ پروردگار! میرے لئے جنّت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے کاروبار سے نجات دلادے اور اس پوری ظالم قوم سے نجات عطا کردے۔

روایات اہلبیتؑ میں ذکر ہوا ہے کہ حضرت آسیہ بہشت میں نبی کی بیویوں میں سے ہونگی۔ [۲]

اصحاب کہف اور تقیہ

قطب راوندی نے شیخ صدوق سے امام صادق علیہ السلام کی روایت کو نقل کی ہے:

فَقَالَ لَوْ كَلَّفَكُمْ قَوْمُكُمْ مَا كَلَّفَهُمْ قَوْمُهُمْ فَافْعَلُوا فِعْلَهُمْ فَقِيلَ لَهُ وَ مَا كَلَّفَهُمْ قَوْمُهُمْ قَالَ كَلَّفُوهُمُ الشِّرْكَ بِاللّٰهِ فَأَظْهَرُوهُ لَهُمْ وَ أَسَرُّوا الْإِيمَانَ حَتَّى جَاءَهُمُ الْفَرَجُ وَ قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ كَذَبُوا فَآجَرَهُمُ اللّٰهُ إِلَى أَنْ قَالَ وَ قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ أَسَرُّوا الْإِيمَانَ وَ أَظْهَرُوا الْكُفْرَ فَكَانُوا

---

[۱] سورہ تحریم ۱۱۔

[۲] تفسیر نور الثقلین۔ ج ۵، ص ۷۷ ۲۔

عَلَى إِظْهَارِهِمُ الْكُفْرَ أَعْظَمَ أَجْراً مِنْهُمْ عَلَى إِسْرَارِهِمُ الْإِيمَانَ وَ قَالَ مَا بَلَغَتْ تَقِيَّةُ أَحَدٍ تَقِيَّةَ أَصْحَابِ الْكَهْفِ۔۔۔ فَأَعْطَاهُمُ اللَّهُ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ۔ [۱]

اگر تمہاری قوم کفر کا اظہار کرنے پر مجبور کرے تو اظہار کرنا اور اپنا ایمان آرام آنے تک چھپا رکھنا۔ پھر فرمایا اصحاب کہف نے بھی ظاہراً جھوٹ بولا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو جزاے خیر دی اور کہا اصحاب کہف نے اپنے ایمان کو چھپائے اور کفر کا اظہار کئے۔ پس کفر کا اظہار کرنے کا ثواب ایمان کے چھپانے سے زیادہ ہے اور فرمایا: اصحاب کہف سے زیادہ کسی اور نے تقیہ نہیں کیا۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے بہی ان کو دو مرتبہ اجر اور ثواب عطا کیا۔

امیر المؤمنینؑ سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے:

وَ عَلَيْكُمْ بِالتَّمَسُّكِ بِحَبْلِ اللَّهِ وَ عُرْوَتِهِ وَ كُونُوا مِنْ حِزْبِ اللَّهِ وَ رَسُولِهِ وَ الْزَمُوا عَهْدَ اللَّهِ وَ مِيثَاقَهُ عَلَيْكُمْ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيباً وَ سَيَعُودُ غَرِيباً وَ كُونُوا فِي أَهْلِ مِلَّتِكُمْ كَأَصْحَابِ الْكَهْفِ وَ إِيَّاكُمْ أَنْ تُفْشُوا أَمْرَكُمْ إِلَى أَهْلٍ أَوْ وَلَدٍ أَوْ حَمِيمٍ أَوْ قَرِيبٍ فَإِنَّهُ دِينُ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ الَّذِي أَوْجَبَ لَهُ التَّقِيَّةَ لِأَوْلِيَائِهِ فَيَقْتُلَكُمْ قَوْمُكُمُ الْخَبَرَ۔ [۲]

امام حسن العسکریؑ کی روایت اس بات کیلئے مؤید ہے:

قال قال رسول اللهﷺ : ان الانبیاء انما افضلهم علی خلقه اجمعین بشدة مداراتهم لاعداء دین الله و حسن تقیتهم لاجل اخوانهم فی الله۔ [۳]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیشک انبیائے الٰہی کو دوسرے لوگوں پر اس لئے فضیلت

---

[۱] مستدرک الوسائل، ج۱۲،ص۲۷۲۔

[۲] مستدرک، باب وجوب التقیۃ مع الخوف الی خر۔

[۳] ہمان، باب دوم۔

ملی ہے کہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ مدارات کیا کرتے تھے اور نیک لوگوں کے ساتھ خدا کے خاطر اچھا تقیہ کیا کرتے تھے۔

یہ اسلام سے پہلے کے تقیہ کے کچھ موارد تھے جو آیات، احادیث اور شیعہ سنی کتابوں میں مرقوم تھے اور یہ ایسے حقائق ہیں جن سے انکار ممکن نہیں ہے۔

ب: ظہور اسلام کے بعد تقیہ

اسلام چونکہ ابتدا سے غریب تھا اور غریب ہی رہ گیا۔ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اس زمانے میں لوگ انحرافات اور گمراہی کے اسیر ہو چکے تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر انہیں نجات دلا دی۔ جس پر قرآن گواہی دے رہا ہے:

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّنَ رَسُولًا مِّنهُمْ يَتْلُوا عَلَيهِمْ ءَايَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ إِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ [1]

اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو ان ہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اگرچہ یہ لوگ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہ تعلیمات اسلامی کی خصوصیت تھی کہ انسان کو اس گمراہی سے نکال کر انسانیت کے بلند و بالا مقام تک پہنچایا اور عقلوں پر تالے لگے ہوئے تھا اسے کھول دیا اور سارے انسانوں کو ایک ہی صف میں لاکر رکھ دیا اور انسان کی فضیلت کیلئے تقوا کو معیار قرار دیتے ہوئے فرمایا:

---

[1] سورہ جمعہ ۲۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔ [1]

بے شک خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت ترین شخص وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسی طرح ظالم وجابر بادشاہیں جو فقیر اور مستضعفوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہوئے زندگی کرتے تھے، جب اس پیغام کو سنا تو وہ لوگ خاموش نہیں رہ سکے؛ بلکہ اسلام کو اس صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہوگئے۔جس کی وجہ سے اسلام مظلوم اور غریب ہوا۔

ابوطالبؑ اور تقیہ

بعض نفسیاتی خوہشات کے اسیر اور ریاست طلب، دین فروش اور درہم و دینار کے لالچی لوگوں نے ظالموں کے ساتھ گھٹ جوڑ کرکے اپنی کتابوں میں ابوطالب کے ایمان کو مشکوک ظاہر کرنا چاہا۔نعوذ باللہ! آپ شرک کی حالت میں اس دنیا سے چلے گئے؛ جبکہ آپ کی شخصیت، عظمت اور اسلام کے ساتھ محبت اور ایمان پر واضح دلائل موجود ہیں۔ابوطالبؑ کی ذات وہ ہے جسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا شرف حاصل ہے؛ کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار قریش اور دوسرے دشمنوں کے مکر وفریب اور ظلم وستم سے بچاتے رہے، جبکہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے درپے تھے۔

اگر آپ کا اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکمل ایمان اور اعتقاد نہ ہوتا تو کیسے دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں خطاب کیا؟!:

والله لن يصلوا اليك بجمعهم
حتى اوسد فى التراب دفينا

---

[1] سورہ حجرات ۱۳۔

فاصدع بامرك ما عليك غضاض

هوابشر بذاك وقرمنك عيونا

و دعوتي و علمت انتك ناصحي

ولقد دعوت و كنت ثم امينا

و لقد علمت بان دين محمد

من خير اديان البرية دينا[۱]

اگر ابوطالبؑ ایمان نہ لائے ہوتے تو ابولہب کی طرح وہ بھی پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھا، خدا کی طرف سے مورد مذمت اورنفرین قرار پاتا ؛ لیکن ایمان ابوطالبؑ ہمیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرینؑ کے فرامیں کے ذریعے واضح اور روشن ہے، اور آپ کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنا کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہاں تک کہ ابن ابی الحدید نے اشعار کی شکل میں اس مطلب کو بیان کیا ہے:

لو لا ابو طالب و ابنه

لما مثل الدين شخصا فقاما

فهذا بمكة آوى و حامى

و هذا بيثرب جس الحماما[۲]

اگر ابوطالبؑ اوران کے فرزند علی نہ ہوتے تو دین اسلام بطور نمونہ برپا نہ ہوتے۔ پس ابوطالبؑ نے مکہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دی اور ان کے بیٹے نے مدینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بچانے کے

---

[۱] الغدیر، ج ۷، ص ۳۳۴۔

[۲] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید ج ۱۴، ص ۸۴۔

خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی۔

اگر علی نہ ہوتے تو ابو طالب سید سادات المسلمین والسابقین الاولین ہوتے۔ جابر بن عبداللہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امیر المومنینؑ کی ولادت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے وضاحت فرمائی، یہاں تک کہ ابو طالبؑ کے بارے میں عرض کیا:

قَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اللَّهُ أَكْبَرُ النَّاسُ يَقُولُونَ [إِنَ] أَبَا طَالِبٍ مَاتَ كَافِراً قَالَ يَا جَابِرُ اللَّهُ أَعْلَمُ بِالْغَيْبِ إِنَّهُ لَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي أُسْرِيَ بِي فِيهَا إِلَى السَّمَاءِ انْتَهَيْتُ إِلَى الْعَرْشِ فَرَأَيْتُ أَرْبَعَةَ أَنْوَارٍ فَقُلْتُ إِلَهِي مَا هَذِهِ الْأَنْوَارُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هَذَا عَبْدُ الْمُطَّلِبِ وَ هَذَا أَبُو طَالِبٍ وَ هَذَا أَبُوكَ عَبْدُ اللَّهِ وَ هَذَا أَخُوكَ طَالِبٌ فَقُلْتُ إِلَهِي وَ سَيِّدِي فَبِمَا نَالُوا هَذِهِ الدَّرَجَةَ قَالَ بِكِتْمَانِهِمُ الْإِيمَانَ وَ إِظْهَارِهِمُ الْكُفْرَ وَ صَبْرِهِمْ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى مَاتُوا۔ [1]

جابر بن عبداللہ انصاری نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خدا بہت بڑا ہے؛ لوگ کہتے ہیں کہ ابو طالب حالت کفر میں اس دنیا سے رحلت کر گئے! فرمایا: اے جابر خداوند سب سے زیادہ جاننے والا ہے علم غیب کا مالک ہے، جس رات کو مجھے معراج پر لے گئے اور عرش پر پہنچے تو چار نور دیکھنے میں آیا، میں سے سوال کیا: خدایا یہ چار نور کن کے ہیں؟! تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عبد المطلب، ابو طالب، تیرے والد عبداللہ اور تیرے بھائی طالب کے ہیں۔ میں نے کہا: اے میرے اللہ اے میرے آقا! یہ لوگ کیسے اس مرتبے پر پہنچے؟ خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا: ایمان کے چھپانے اور کافروں کے مقابلے میں کفر کے اظہار اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے پہنچے ہیں۔

یونس بن نباتہ نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے:

---

[1] بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۱۶۔

قال علیہ السلام یا یونس ما یقول الناس فی ایمان ابو طالب علیہ السلام قلت جعلت فداك ، یقولون »هو فی ضحضاح من نار و فی رجلیه نعلان من نار تغلی منهما امّ رأسه« ۔ فقال کذب اعداءالله ، ان اباطالب علیہ السلام من رفقاء النبیین و الصدیقین و الشهداء و الصالحین وحسن اولئك رفیقا ۔ [۱]

چنانچہ محمد بن یونس نے اپنے والد سے انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت نے ہم سے کہا: اے یونس! لوگ ابوطالب کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا، مولیٰ میں آپ پر قربان ہوجاؤں؛ لوگ کہتے ہیں:

هو فی ضحضاح من نار و فی رجلیه نعلان من نار تغلی منهما امّ رأسه۔

ابوطالبؑ کھولتی ہوئی آگ میں پیروں میں آگ کے جوتے پہنائے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ان کا دماغ کھول رہا ہے۔ امام نے فرمایا: خدا کی قسم یہ خدا کے دشمن لوگ غلط کہہ رہے ہیں! ابوطالب انبیا صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھیوں میں سے ہے اور وہ لوگ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ [۲]

کوتاہ سخن اگر علمائے اہل تسنن بھی تھوڑا انصاف سے کام لیتے تو ایمان ابو طالبؑ کو درک کر لیتے کہ ایمان کے کتنے درجے پر آپ فائز ہیں۔ لیکن بعض خودغرض اور بغض اور کینہ دل میں رکھنے والے لوگوں نے ایک جعلی اور ضعیف روایت جو حدیث ضحضاح کے نام سے مشہور ہے کو دلیل بنا کر امیر المومنین کے پدر گرامی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب ایمان لائے بغیر اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو اہل بیت اور علی ابن ابی طالب سے دشمنی نہ ہوتی تو ان ساری صحیح اور معتبر حدیثوں میں سے صرف ایک ضعیف حدیث کو نہیں اپناتے اور شیخ بطحا مؤمن

---

[۱] کنز الفوائد، ص ۸۰۔

[۲] الطرائف؛ ترجمہ داود الہامی؛ ایمان ابوطالب ص ۴۴۸۔

قریش پیغمبر اسلام ﷺ کے بڑے حامی پر یہ تہمت نہ لگاتے۔[۱]

محققین اور راویوں نے اس حدیث کی بررسی اور گہری تحقیق کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالے ہیں کہ یہ حدیث مورد اعتماد نہیں ہے۔ علمائے اہل سنت کے نزدیک اس روایت کو نقل کرنے والے جھوٹے، بعض مجہول اور بعض علی اور اولاد علیؑ سے بغض و کینہ رکھنے والے تھے۔ جن میں سے ایک مغیرۃ بن شعبہ ہے جو ایک فاسق و فاجر اور سرسخت دشمن اہل بیت تھا۔ اس بارے میں درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں:

۱۔ اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب، سید احمد زینی دحلان۔
۲۔ شیخ الأبطح او ابو طالب، سید محمد علی آل شرف الدین۔
۳۔ الطرائف۔ ترجمہ داود الہامی، ص: ٤٦١۔
٤۔ الشہاب الثاقب، لرجم کفر ابی طالب، شیخ نجم الدین۔
٥۔ ایمان ابی طالب، ابو علی کوفی۔
٦۔ ایمان ابی طالب، مرحوم مفید۔
٧۔ ایمان ابی طالب، ابن طاوس۔
٨۔ ایمان ابی طالب، احمد بن قاسم۔
٩۔ بغیۃ الطالب۔۔، سید محمد عباس تستری۔
١٠۔ مواہب الوہب فی فضائل ابی طالب۔
١١۔ الحجۃ علی الذاہب الی تکفیر ابی طالب، سید فخار۔[۲]

امام کاظمؑ سے روایت ہے:

لو وضع ایمان ابی طالب فی کفة و ایمان الخلایق فی الکفة الاخری

---

[۱] الطرائف؛ ترجمہ داود الہامی؛ ایمان ابو طالب ص ٤٦٠۔

[۲] الطرائف؛ ترجمہ داود الہامی؛ ایمان ابو طالب ص ٤٦١

لرجح ایمان ابی طالب علی ایمانهم... فکان والله امیرالمومنین یحجّ عن ابیه و امه وعن اب رسول الله حتی مضی، ووصّی الحسن والحسین علیہ السلام بمثل ذالك، وکل امام منّا یفعل ذالك الی ان یظهر امره۔ [1]

یعنی اگر ایمان ابوطالبؑ کوترازو کے ایک پلڑے میں قرار دیدے اور دوسرے تمام مخلوقات کے ایمان کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیئے جائیں تو ابوطالبؑ کا ایمان دوسرے تمام مخلوقات کے ایمان سے زیادہ بھاری ہوگا۔۔۔خدا کی قسم امیر المومنینؑ جب تک زندہ رہے اپنے باپ، ماں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں حج انجام دیتے رہے اور حسن وحسینؑ کو بھی وصیت کر گئے کہ وہ لوگ بھی اسی طرح ان کی نیابت میں حج انجام دیتے رہیں اور ہم میں سے ہر امام اس سنت پر عمل کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آخری حجت کا ظہور ہوگا۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ ع أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ أَبِي طَالِبٍ أَ كَانَ مُؤْمِناً فَقَالَ نَعَمْ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هَاهُنَا قَوْماً يَزْعُمُونَ أَنَّهُ كَافِرٌ فَقَالَ وَا عَجَبَاهْ أَ يَطْعَنُونَ عَلَى أَبِي طَالِبٍ أَوْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ص وَ قَدْ نَهَاهُ اللَّهُ أَنْ يُقِرَّ مُؤْمِنَةً مَعَ كَافِرٍ فِي غَيْرِ آيَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ وَ لَا يَشُكُّ أَحَدٌ أَنَّ بِنْتَ أَسَدٍ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ السَّابِقَاتِ وَ أَنَّهَا لَمْ تَزَلْ تَحْتَ أَبِي طَالِبٍ حَتَّى مَاتَ أَبُو طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔ [2]

امام سجادؑ سے ایمان ابوطالبؑ کے بارے میں سوال ہوا: کیا وہ مؤمن تھے؟ تو فرمایا: ہاں۔ راوی نے عرض کیا: یہاں ایک قوم رہتی ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ابوطالب حالت کفر میں اس دنیا سے چلے گئے ہیں! تو امام نے فرمایا: واعجبا! کیا وہ لوگ ابوطالب پر طعنہ اور تہمت لگا رہے ہیں یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر؟! جب کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی کئی آیات میں کفار کے ساتھ ازدواج کو ممنوع قرار دیا ہے؛ اور اس میں بھی کسی کو شک نہیں کہ فاطمہ بنت اسد مؤمنہ عورتوں میں

---

[1] مستدرک الوسایل، ج۸، ص۷۰۔

[2] بحار، ج۳۵، ص۱۱۷۔

سے تھیں اورمرتے دم تک ابوطالب کی زوجیت میں رہیں۔

اور یہ دوسری دلیل ہے ایمان ابوطالب پر کہ مسلمان عورتوں کا کافروں کے ساتھ نکاح جائزنہیں ہے؛ چنانچہ۔ جب زینب نے اسلام قبول کیا، اورابی العاص نے شریعت اسلام قبول نہیں کی تو اسلام نے ابی العاص کے ایمان لانے تک ان کے درمیان فاصلہ ڈالا اور جب وہ ایمان لایاتو دوبارہ نکاح پڑھ کران کورشتہ ازدواج میں منسلک کیا۔[1]

لیکن حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا وہ پہلی خاتون ہیں جس نے مکہ سے مدینے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہے اور آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مہربان ترین خاتون تھیں۔[2]

جب آپ رحلت کرگئی تو امیر المؤمنین ؑ روتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے۔ رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میری ماں فاطمہ اس نیا سے رحلت کرگئی ہے۔ فقال رسولا للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: امی واللہ! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم وہ میری ماں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روتے ہوئے تشریف لائے اور تشییع جنازے میں شریک ہوئے۔[3]

پس اگر فاطمہ بنت اسد (س) مؤمنہ تھی اور ابوطالب ؑ کافر، تو کیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان جدائی نہیں ڈالی ؟! کیسے یہ تصور ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہمترین احکام اسلام سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس حکم کوتعطیل کیا ہو؟![4]

---

[1] تنقیح المقال فی علم الرجال، ج ۳، ص ۷۹۔

[2] اصول کافی، ج ۱، باب امیر المومنین۔

[3] اصول کافی، ج ۱، باب امیر المومنین۔

[4] بحارالانوار، ج ۳۵، ص ۱۱۵۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تقیہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقیہ کرنے کے موارد میں سے ایک مورد آپ کا بعثت سے تین سال پہلے سری طور پر دعوت دینا تھا۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر سہیل بن عمرو مشرکون کا نمایندہ تھا، کے درخواست پر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے بجائے "باسمك اللهم" لکھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان کو حذف کر کے محمد بن عبداللہ لکھنا بھی ایک قسم کا تقیہ ہے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عبداللہ بن ابی پر نماز میت پڑھنا اور بجائے دعا کے آہستہ سے نفرین کرنا جبکہ وہ منافقین مدینہ کا سردار تھا؛ موارد تقیہ میں سے تھا۔[2]

حضرت علیؑ اور تقیہ

آپ کا سقیفہ والوں کے انتخاب پر ظاہراً ۲۵ سال تک خاموش رہنا جبکہ آپ کو معلوم تھا کہ قرآن اور فرمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق خلافت آپ کا حق تھا، لیکن مسلمانوں کے درمیان وحدت اور اتحاد کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے خاموش رہنا، تقیہ تھا۔ جس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی مصلحتوں کو محفوظ کیا۔ اگر آپ خاموش نہ رہتے تو اس وقت روم والے مسلمانوں کے سر پر کھڑے تھے کہ کوئی موقع ہاتھ آجائے تاکہ مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کو نابود کر سکیں، جو مسلمانوں کی وحدت کی وجہ سے ناکام ہوا۔ آپ کا اپنے زمانے کے حاکموں کے پیچھے نماز پڑھنا بھی تقیہ کے موارد میں سے ہے۔

---

[1] ابن ہشام؛ السنۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۱۷۔

[2] وسائل الشیعہ، ج ۹، ص ۳۲۹۳۲۸۔

حسنینؑ وزین العابدینؑ اور تقیہ

یہ دورہ زمان خلافت امام حسنؑ ۲۱ رمضان ۴۱ ھ سے لے کر وفات امام سجادؑ سن ۹۵ ھ تک تاریکترین اور وحشت ناکترین دوران ہے کہ ائمہ طاہرینؑ پر گذری ہے

صلح امام حسنؑ ربیع الاول سال ۴۱ ھ کے بعد اور حکومت اموی کے مستقر ہونے کے بعد، شیعہ اور ان کے پیشواوں کو شدید دباؤ میں رکھے۔ معاویہ نے دستور دیا کہ خطیب لوگ علیؑ اور ان کے خاندان کی شان میں گستاخی کریں اور منابر سے ناسزا اور لعن طعن کرے۔ شہادت امام حسینؑ سن ۶۱ ھ کے بعد مزید سختی کرنے لگے۔ حضرت علیؑ اپنی خاص روشن بینی کی وجہ سے اپنے بعد آنے والی تمام واقعات کی پیشگوئی فرمائی اور اس دوران میں اپنے دوستوں سے تقیہ کرنے کا حکم فرمارہے تھے۔ کہ جب بھی ان کے مولا کے بارے میں گستاخی کرنے پر مجبور کیا جائے تو اپنی جان بچائیں اور ان کی بات قبول کریں۔ [۱]

اس دوران میں ائمہؑ کے سیاسی تقیہ کے واضح ترین مصداق، صلح امام حسنؑ کو قرار دے سکتے ہیں۔ کہ جو خود مہمترین علل اور اسباب میں سے ایک ہے جس کے ذریعے سے مسلمانوں خصوصاً شیعیان حیدر کرار کے خون کی حفاظت تھی۔ [۲]

اسی طرح امام حسینؑ کا معاویہ کے خلاف جنگ نہ کرنا بھی تقیہ شمار ہوتا ہے اور اس دوران امام حسن و امام حسینؑ کا مروان بن حکم، حاکم مدینہ کے پیچھے نماز پڑھنا بھی سیاسی و اجتماعی تقیہ کے مصادیق میں سے ہے۔ [۳]

---

[۱] بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۹۳۔

[۲] ہمان، ص ۱۴۴۷۔

[۳]۔ ہمان، ج ۸۸۔

جب بررسی کرنے لگتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام سجادؑ تقیہ کرنے کا ایک خاص طریقہ اپناتے ہیں اور وہ دعا کی شکل میں اسلامی معارف اور تعلیمات کا عام کرنا ہے۔جس کا مجموعہ صحیفہ سجادیہ کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے۔

امام باقر علیہ السلام اور تقیہ

امام باقر علیہ السلام کا دور بنی امیہ کے کئی خلفاء (ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، ہشام بن عبدالملک) کا دور تھا اس دوران میں سخت گیری نسبتاً کم ہوئی۔یہی وجہ تھی کہ آپ نے شیعہ مکتب کے مختلف کلامی، فقہی اور فرہنگی امور کو تدوین کر کے اسلامی مکاتب کے سامنے رکھ دیا، اور بہت سے شاگردوں کی تربیت کی۔

امامؑ کے سیاسی تقیہ کے موارد میں سے درج ذیل توریہ والی روایات کو شمار کر سکتے ہیں کہ امام نے ہشام کی مجلس میں اسے یوں خطاب کرنا:

یا امیر المومنین الواجب علی الناس الطاعه لامامهم و الصدق له بالنصیحه۔ [1]

اے امیر مؤمنین! لوگوں پر واجب ہے کہ اپنے امام کی اطاعت کرے اور نصیحت اور خیر خواہی کے وقت اسے قبول کرے۔اس روایت میں لفظ امام، غاصب حاکموں اور ائمہ اہل بیتؑ دونوں پر قابل تطبیق ہے۔بنی امیہ کے بادشاہوں سے تقیہ کرتے ہوئے شاہین اور عقاب کے ذریعے شکار کرنے کو حلال قرار دیا؛ ان دو پرندوں کے ذریعے خلفائے بنی امیہ بہت زیادہ شکار کیا کرتے تھے۔

---

[1] ہمان، ج ۴۶، ص ۳۱۶۔

امام باقر علیہ السلام کا تقیہ کرنے پر یہ روایت صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے۔ [1]

امام صادق علیہ السلام اور تقیہ

امام صادق علیہ السلام کی ۳۴ سالہ مدت امامت (۱۱۴ھ سے لیکر ۱۴۸ھ تک) ائمہ طاہرینؑ کی طولانی ترین مدت امامت شمار ہوتا ہے کہ جسے تین بخش میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلا حصہ: یہ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ ۱۲۵) کا دور تھا، جو سیاسی لحاظ سے قدرت مند خلیفہ شمار ہوتا تھا اور مملکت اسلامی کے اوضاع پر مسلط تھا۔ امام اور ان کی فعالیتوں کو سخت کنٹرول میں رکھتا تھا۔

دوسرا حصہ: یہ دورہ سن ۱۲۵ ۱۴۵ھ کو شامل کرتا ہے کہ بنی امیہ کی حکومت رو بہ زوال تھی اور بنی عباس کے ساتھ جنگ وجدال میں مشغول ہو گئے تھے آخر کار ان کے ہاتھوں شکست کھا کر ان کی حکومت سرنگوں ہوئی۔

تیسرا حصہ: سن (۱۴۵ ۱۴۸) ھ کو شامل کرتا ہے کہ اس وقت منصور نے شدت کے ساتھ امامؑ اور ان کی فعالیتوں کو مختلف جوانب سے کنٹرول کر رکھا تھا۔

بحارالانوار میں آن حضرت کے تقیہ سے مربوط ۵۳ روایت جمع آوری کی گئی ہے [2] کہ جن میں سے زیادہ تر اس کتاب کے مختلف صفحات پر ذکر ہوا ہے۔

جب منصور نے امام کو ان کی حکومت کے خلاف قیام کرنے سے ڈرایا تو امامؑ فرمایا: میں نے بنی امیہ کے زمانے میں کوئی ایسا قیام نہیں کیا ہے جب کہ وہ سب سے زیادہ ہمارے ساتھ دشمنی کرنے والے تھے، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے چچا زاد بھائی کے خلاف قیام کروں جب کہ

---

[1] وسائل الشیعہ، ج۱۶، ص ۲۶۴۔

[2] بحارالانوار، ج۷۵، ص ۳۹۳۔

رشتے کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریب ہے، اوراب سے زیادہ میرے اوپر مہربان اور نیکی کرنے والا ہے۔ [۱]

امام صادق علیہ السلام کی وصیت بعنوان تقیہ ہم بیان کر سکتے ہیں کہ جب امام صادق علیہ السلام رحلت فرما گئے تو منصور نے مدینہ کے گورنر کو خط لکھا: جس کو بھی امام نے اپنا جانشین اوروصی بنایا، اسے اپنے پاس لاکر اس کا سر قلم کرو۔

جب مدینے کا گورنر اس ماجرا کی تحقیق کرنے لگا تو معلوم ہوا کہ امامؑ کئی افراد کو اپنا جانشین کے طور پر معین کر چکے ہیں، جیسے موسی ابن جعفرؑ، اپنی زوجہ حمیدہ اور اپنا دوسرا فرزند عبداللہ خود امامؑ۔ جن میں سے ایک خود منصور اور مدینہ کا گورنر بھی ہے۔

دوسرے دن جب منصور کو یہ خبر دی گئی تو وہ چیخ اٹھا اور کہنے لگا: اے گورنر اس صورت میں کسی کو بھی قتل نہیں کر سکتا۔ [۲]

الْإِمَامُ الْعَسْكَرِيُّ عَلَيْهِ السَّلَام فِي تَفْسِيرِهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَ قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً قَالَ الصَّادِقُ ع قُولُوا لِلنَّاسِ كُلِّهِمْ حُسْناً مُؤْمِنِهِمْ وَ مُخَالِفِهِمْ أَمَّا الْمُؤْمِنُونَ فَيَبْسُطُ لَهُمْ وَجْهَهُ وَ أَمَّا الْمُخَالِفُونَ فَيُكَلِّمُهُمْ بِالْمُدَارَاةِ لِاجْتِذَابِهِمْ إِلَى الْإِيمَانِ فَإِنِ اسْتَتَرَ مِنْ ذَلِكَ يَكُفَّ شُرُورَهُمْ عَنْ نَفْسِهِ وَ عَنْ إِخْوَانِهِ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ الْإِمَامُ ع إِنَّ مُدَارَاةَ أَعْدَاءِ اللَّهِ مِنْ أَفْضَلِ صَدَقَةِ الْمَرْءِ عَلَى نَفْسِهِ وَ إِخْوَانِهِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ فِي مَنْزِلِهِ إِذِ اسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي سَلُولٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ ائْذَنُوا لَهُ فَأَذِنُوا لَهُ فَلَمَّا دَخَلَ أَجْلَسَهُ وَ بَشَرَ فِي وَجْهِهِ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْتَ افِيهِ مَا قُلْتَ وَ فَعَلْتَ بِهِ مِنَ الْبِشْرِ مَا فَعَلْتَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ص يَا عُوَيْشُ

---

[۱] ہمان، ص، ۱۹۶۔

[۲] مہدی پیشوائی؛ سیرہ پیشوایان، ص ۴۱۴۔

يَا حُمَيْرَاءُ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ يُكْرَمُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ وَ قَالَ الْإِمَامُ ع مَا مِنْ عَبْدٍ وَ لَا أَمَةٍ دَارَى عِبَادَ اللهِ بِأَحْسَنِ الْمُدَارَاةِ وَ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فِي بَاطِلٍ وَ لَمْ يَخْرُجْ بِهَا مِنْ حَقٍّ إِلَّا جَعَلَ اللهُ نَفَسَهُ تَسْبِيحاً وَ زَكَّى أَعْمَالَهُ وَ أَعْطَاهُ لِصَبْرِهِ عَلَى كِتْمَانِ سِرِّنَا وَ احْتِمَالِ الْغَيْظِ لِمَا يَحْتَمِلُهُ مِنْ أَعْدَائِنَا ثَوَابَ الْمُتَشَحِّطِ بِدَمِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ.... [1]

امام عسکریؑ اپنی تفسیر میں امام صادق علیہ السلام سے اس آیہ شریفہ کے ذیل میں نقل فرماتے ہیں: کہ ہر انسان کے ساتھ نیک گفتار ہونا چاہئے ،خوہ وہ مؤمن ہو یا ان کا مخالف ہو۔مؤمنوں کے ساتھ خوش روئی کے ساتھ پیش آئے ،لیکن ان کے مخالفین کے ساتھ مدارات کے ساتھ پیش آئیں تا کہ ان کو ایمان کی طرف جلب کرسکیں۔اگر یہ لوگ ان سے چھپائے تو ان کے شر سے اپنے آپ کو،اپنے مؤمن بھائیوں کو بچا سکتے ہیں۔امام نے فرمایا: دشمنوں کے ساتھ مدارات کے ساتھ پیش آنا؛ اپنی جان،اور اپنے بھائیوں کا بہترین صدقہ دینا ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کہ عبداللہ بن ابی سلول نے دستک دی ،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قوم کا سب سے برا انسان ہے،اسے اندر آنے کی اجازت دی جائے۔جب وہ اندر داخل ہوا تو آپ نے خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا۔جب وہ نکل گیا تو عائشہ نے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ نے کیا کچھ،اور کہا کچھ؟ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عویش اے حمیرا! اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے برا انسان وہ ہوگا،جس کے خوف سے لوگ اس کی عزت کریں۔

امام نے فرمایا: کسی بھی مرد اور عورت میں سے کوئی بھی اللہ کے بندوں کیساتھ نیکی کرے،درحالیکہ وہ اس حالت سے بہر بھی نہیں نکلتا،مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے سانسوں کو اپنی تسبیح پڑھنے کا ثواب لکھ دیتا ہے اور اس کے سارے اعمال کو خالص نہ بنائے اور اسے ہمارے اسرار کو

[1] مستدرک الوسائل، ج۹،ص ۳٦ ،باب استحباب مداراۃ الناس۔

چھپانے، اور دشمن کے غم و غصے کو برداشت کرنے کی وجہ سے، اس شخص کا ثواب عطا کرے گا، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اپنے خون میں غلطان ہو چکا ہو اور اس مداراتی تقیہ کے نتائج کو بھی بیان فرمایا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ مَنْصُورٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام... قَالَ مَنْ كَفَّ يَدَهُ عَنِ النَّاسِ- فَإِنَّمَا يَكُفُّ عَنْهُمْ يَداً وَاحِدَةً- وَ يَكُفُّونَ عَنْهُمْ أَيَادِيَ كَثِيرَةً.[1]

جو بھی لوگوں کے ساتھ مدارات اور مہربانی کرے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئے تو حقیقت میں ایک ہاتھ کو کسی دوسرے کو اذیت اور آزار پہنچانے سے باز رکھا لیکن بہت سے ہاتھوں کو اپنے اوپر ظلم و تعدی کرنے سے دور رکھا ہے۔

امام موسی کاظم علیہ السلام اور تقیہ

امام کاظم علیہ السلام اپنے ۳۵ سالہ دور امامت (۱۴۸ ۱۸۳) ھ میں جو حضرت حجت (عج) کی امامت کے علاوہ طولانی ترین اور سخت ترین دور شمار ہوتا ہے۔

یہ دور، بنی عباس کے سرسخت اور سفاک خلفاء جیسے منصور، مہدی، ہادی اور ہارون کی حکومت سے مصادف تھا۔ کہ ان میں سے ہر ایک امامت کی نسبت بہت زیادہ حساس تھے، یہاں تک کہ امام کے بعض چاہنے والوں، جیسے محمد ابن ابی عمیر کو کئی عرصے تک جیل میں ڈالے گئے۔ اسی دور میں حسین ابن علی ابن حسن جو شہید فخ کے نام سے معروف تھے، ۱۶۹ھ میں حکومت کے ساتھ ان کی جنگ ہوئی، جو ان کی شہادت پر جا کر ختم ہوئی اور ہادی عباسی یہ تصور کر رہا تھا کہ یہ جنگ، امامؑ کے فرمان کے مطابق کی گئی ہے، اس لئے ان کے اوپر زیادہ سخت گیری کرنا شروع

[1] بحارالأنوار، ج ۷۲، باب التقیۃ والمداراۃ، ص: ۳۹۳

کیا۔

اس دور میں تقیہ امامؑ کے بعض موارد

۱۔ جب خلیفہ موسی الہادی اس دنیا سے چلے گئے تو امامؑ نے ان کی ماں خیزران کو تسلیتی پیغام دیتے ہوئے خلیفہ کو امیر المومنین کا عنوان دے کر یاد کرنا اور اس کیلئے رحمہ اللہ کہہ کر طلب مغفرت کرنا اور پھر ہارون کی خلافت کو بھی امیر المومنین کے عنوان سے یاد کرتے ہوئے ان کو مبارک باد کہنا۔

مرحوم مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خط کے ذیل میں لکھا ہے کہ، آنحضرت کے زمانے میں شدت تقیہ کا نظارہ کر سکتے ہیں کہ انہیں ایک فاسق اور جابر حاکم کے لئے ایسے القابات لکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ [۱]

۲۔ یحییٰ بن عبداللہ بن حسن نے ایک خط امامؑ کے نام لکھا، کہ آنحضرت کو حکومت عباسی کے خلاف قیام کرنے سے روکتے ہوئے سزا دیا جائے۔ لیکن امامؑ نے ان کے جواب میں خط لکھا جس کے ضمن میں اسے بطور خلیفہ یاد کیا۔ امامؑ کا یہ خط ہارون کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ جسے دیکھ کر انہوں نے کہا: لوگ موسی ابن جعفرؑ کے بارے میں مجھے بہت سی چیزیں بتاتے ہیں، اور مجھے ان کے خلاف اکساتے ہیں جب کہ وہ ان اتہامات سے پاک ہیں۔ [۲]

۳۔ علی ابن یقطین جو ہارون کی حکومت میں مشغول تھا؛ ایک خط امام کو لکھتے ہیں کہ اور امام سے وضو کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ امامؑ اس کے جواب میں اہل سنت کے وضو کا طریقہ اسے تعلیم دیتے ہیں کہ تو انہیں کی طرح وضو کیا کرو۔ اگر چہ علی ابن یقطین کو بڑا تعجب ہوا،

---

[۱] بحار الانوار، ج ۴۸۔ ص ۱۶۶۔

[۲] ہمان، ص ۸۳۔

لیکن حکم امامؑ کی اطاعت ضروری تھی۔ ہارون کو بھی علی ابن یقطین پر شک ہو چکا تھا، سو چا کہ اس کے وضو کرنے کے طریقے کو مشاہدہ کروں گا۔ اگر اس نے مذہب شیعہ کے مطابق وضو کیا تو اسے بہت سخت سزا دوں گا۔ لیکن جب ان کے وضو کرنے کے طریقے کو دیکھا تو اسے اطمنان ہوا کہ ان کے بارے میں لوگ جھوٹے تھے، تو علی ابن یقطین کی عزت اور مقام ان کے نزدیک مزید بڑھ گیا۔ بلا فاصلہ اس ماجرا کے بعد امامؑ کی طرف سے علی ابن یقطین کو دستور ملا کہ وضو اب مذہب شیعہ کے مطابق انجام دیا کریں۔ [1]

امام رضا علیہ السلام اور تقیہ

امام رضاؑ کی امامت کا دور (۱۸۳ ۲۰۳) تک ہے، جسے تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلا دور: ۱۸۳ سے لیکر ۱۹۳ سال تک کا دور ہے۔ اس دور میں ہارون الرشید حاکم تھا؛ یہ دور شیعیان حیدر کرار پر بہت سخت گذرا۔ اس ملعون نے قسم کھایا ہوا تھا کہ موسی ابن جعفرؑ کے بعد جو بھی امامت کا ادعی کرے گا اسے قتل کیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود امام رضاؑ نے بغیر کسی خوف اور وہم وگمان کے اپنی امامت کو لوگوں پر آشکار کیا امام کے تقیہ نہ کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت خواہشات نفسانی اور مال وزر کے اسیروں نے آپ کی امامت کا انکار کر کے فرقہ واقفیہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ امام موسیؑ کے زندہ ہونے کے قائل ہو گئے تھے۔ چنانچہ کہنے لگے:

الامام الكاظم لم يمت ولا يموت ورفع الى السماء وقال رسول الله فی شانه: ويملأ الارض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً۔ [2]

---

[1] ریاض، ناصری، الواقفیہ۔

[2] بحارالانوار، ج ۴۶، ص ۱۱۴۔

امام کاظم فوت نہیں ہوئے ہیں اور نہ فوت ہوں گے، انہیں خدا تعالیٰ نے آسمان کی طرف اٹھایا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا: زمین کو وہ عدل وانصاف سے اسی طرح پر کریں گے جس طرح ظلم وجور سے پر ہو چکی ہے۔

اس ماجرے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاتھوں مال خمس اور زکوۃ کا کچھ رقم موجود تھا۔ کیونکہ حضرت امام موسی بن جعفر قید و بند میں تھے؛ جس کے بعد آپ کی شہادت ہوئی تو جو مال ان کے ہاتھوں میں موجود تھا، ضبط کر لئے اور ان کے فرزند ارجمند علی ابن موسی الرضاؑ کی امامت کے منکر ہو گئے۔ [1]

اے میرے بیٹے! خدا تعالیٰ نے فرمایا: میں روئے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کروں گا، اور خدا جو بھی فرماتا ہے وہ اسے انجام دے گا۔ زیاد بن مروان قندی جو گروہ واقفیہ میں سے تھا کہتا ہے میں ابو ابراہیم علیہ السّلام کی خدمت میں تھا کہ ان کے بیٹے علی ابن موسیٰ الرضاؑ بھی ان کی خدمت میں حاضر تھا؛ مجھ سے فرمانے لگا: اے زیاد! یہ میرا بیٹا ہے اس کا قول میرا قول ہے اس کی کتاب میری کتاب ہے اس کا رسول میرا رسول ہے، اور جو بھی وہ زبان پر جاری کرے گا وحق ہو گا۔ [2]

بہر حال امامؑ نے اپنی امامت کا اظہار کیا تو آپ کے ایک صحابی نے اصرار کیا کہ آپ مزید لوگوں کو اپنی امامت کے بارے میں وضاحت کریں؛ تو فرمایا: اس سے بڑھ کر اور کیا وضاحت کروں؟! کیا تم چاہتے ہو کہ میں ہارون کے پاس جا کر اعلان کروں کہ میں لوگوں کا امام ہوں اور تیری خلافت اور تیرا منصب باطل ہے؟! ایسا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی رسالت کے اولین بار اعلان کرتے وقت نہیں کیا ہے، بلکہ آغاز رسالت میں اپنے دوستوں، عزیزوں

---

[1] زندگانی چہاردہ معصومؑ، امامت حضرت رضاؑ، ص ٤٢٤۔

[2] ہمان، ص ٤٢٥۔

اور قابل اعتماد افراد کو جمع کر کے اپنی نبوت کا اظہار کیا۔[1]

امام ہادیؑ اور تقیہ

امام ہادیؑ کا دوران امامت (۲۲۰ تا ۲۵۴ھ) بھی سخت ترین دور تھا، جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بنی عباس کے خلفاء اور حکمران، آپ پر ہر وقت پہرہ لگائے رکھتے تھے۔ چنانچہ متوکل (۲۳۲ تا ۲۴۷) نے شدت کے ساتھ امامؑ کی فعالیت کو اپنے کنٹرول میں رکھا ہوا تھا۔ اس کے لئے متوکل مجبور ہوا کہ آپ کو شدیداً کنٹرول میں رکھنے کیلئے مدینہ سے سامرا (دارالخلافہ) منتقل کیا جائے۔ جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ عباسیوں کے ایک گروہ نے متوکل کو خط لکھا کہ لوگ امام ہادی کے گرویدہ ہو رہے ہیں جو تمھاری حکومت کیلئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اگر تم مکہ اور مدینہ چاہتے ہو تو علی ابن محمد کو مدینہ سے نکال کر کہیں اور منتقل کر دو۔[2]

امامؑ کے سیاسی اوضاع کی شناخت کیلئے اتنا ہی کافی ہے اور اب اس دور میں اجتماعی تقیہ کے پائے جانے پر ہمارے پاس جو دلیل ہے، انہیں بیان کروں گا: روایتوں میں ذکر ہوا ہے کہ علی ابن مہز یار نے امام سے پوچھا: کیا ہم اہل سنت کے احکام کے مطابق اموال پر مالک ہو سکتے ہیں جبکہ مکتب اہل بیتؑ کے احکام کے مطابق اس مال پر مالک نہیں بن سکتے؟ جیسے ارث وغیرہ کے احکام ہیں، جب کہ وہ لوگ اپنے احکام کے مطابق ہم سے اموال لیتے ہیں؟

تو امامؑ نے فرمایا:

يجوز لكم ذالك انشاءالله اذا كان مذهبكم فيه التقية منهم

---

[1] بحارالانوار، ج ۴۶،ص ۱۱۴۔

[2] بحارالانوار، ج ۵۰،ص ۲۱۔

والمداراة لهم. [۱]

یعنی ہاں تمھارے لئے ایسا کرنا جائز ہے انشاءاللہ اگر تقیہ اور مدارات کی حالت میں ہو۔

امام جوادؑ اور تقیہ

امام جوادؑ کا دور امامت سن ۲۰۳ سے ۲۲۰ ھ تک ہے جو مامون اور اس کے بھائی معتصم کی حکومت کا دور ہے۔ امام نے بیشتر وقت مدینہ اور مرکزی حکومت سے دور رہ کر گذارا۔ لیکن پھر بھی مامون اور معتصم ،ام الفضل جو آپ کی زوجہ اور مامون کی بیٹی ہے، کے ذریعے امامؑ کے گھریلو معاملات میں جاسوسی کرنے لگے؛ لیکن وہ قابل ذکر موارد جہاں آپ نے تقیہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔امامؑ کا نماز میں قنوت نہ پڑھنا:

اذا كانت التقية فلا تقنت وانا اتقلد هذا ۔ [۲]

۲۔ایک دفعہ یحی بن اکثم کے ساتھ مناظرہ ہوا، جب یحی نے ابوبکر اور عمر کی شان میں جعلی احادیث کو بیان کیا تو امامؑ نے فرمایا: میں منکر فضائل نہیں ہوں، اس کے بعد منطقی دلائل کے ذریعے ان احادیث کے جعلی ہونے کو ثابت کرنے لگا۔ [۳]

امام حسن عسکریؑ اور تقیہ

---

[۱] وسائل الشیعہ ،ج۱۸،ص۱۶۵۔

[۲] ہمان، ج ۴، ح ۱۔

[۳] بحارالانوار، ج ۵۰،ص ۸۰۔

امام عسکریؑ کا دور امامت اگر چہ بہت ہی مختصر ہے(۲۵۴ تا ۲۶۰) لیکن اپنے بابا کے دور امامت سے کئی درجہ زیادہ سخت اور مشکل ہے۔اس دور کے آغاز میں معتز (۲۵۲ تا ۲۵۵) نے آپ کو آل ابوطالبؑ کے کچھ افراد کے ساتھ قید کئے۔ اس کے بعد مہدی (۲۵۵ تا۲۵۶) عباسی نے بھی یہی رویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ آپ کو قتل کرنے کی دھمکی بھی دی گئی۔ [۱]

لیکن وہ اس مکروہ ارادے میں کامیاب نہیں ہوا۔لیکن آخر کار معتمد(۲۵۶ تا۲۷۹) جس نے یہ سن رکھا تھا کہ امام عسکریؑ کی اولاد میں سے ایک فرزند آئے گا جو ظلم و بربریت کو ختم کرے گا؛ امام اور ان کے خاندان پر کڑی نظر اور پہرہ ڈال رکھا تھا، تاکہ وہ فرزند اس دنیا میں نہ آنے پائے۔آخر کار اس نے امامؑ کو شہید کیا۔

لیکن امامؑ نے اپنے بیٹے کی ولادت کو مخفی رکھا، یہاں تک کہ بہت سارے شیعوں کو بھی ان کی ولادت کا علم نہیں تھا جو سن ۲۵۵ ھ میں متولد ہوا تھا [۲] کیونکہ بہت زیادہ خطر تھا۔اسی لئے امامؑ کی شہادت کے بعد آپ کا بھائی جعفر جو ایک بے ایمان انسان تھا، آپ کی ساری میراث اپنے نام کر دیا۔کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ امام کا کوئی وارث بھی ہے۔ [۳]

امامؑ کے کچھ سیاسی تقیہ کے موارد اپنے چاہنے والوں کے نام لکھا ہوا خط سے واضح ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ:

۱......جب میں تمھارے سامنے سے گذرے تو مجھے سلام نہ کرنا اور اپنے ہاتھوں سے میری طرف اشارہ نہ کرنا، کیونکہ تم لوگ امان میں نہیں ہو۔ممکن ہے اس طرح اپنے آپ کو دردسر میں ڈالنے سے محفوظ رکھیں۔

۲......امامؑ جب اپنے اصحاب سے ملاقات کرتے تھے تو ان کیلئے مخفی طور پر پیغام بھیجتے

---

[۱] ہمان، ص ۳۰۸۔

[۲] ہمان ج ۵۱، ص۔۱۵۔

[۳] الارشاد، ج ۲، ص ۳۳۰۔

تھے کہ فلاں جگہ جمع ہو جائیں، تا کہ ایک دوسرے کی دیدار ہو سکے۔۔امامؑ سخت سیاسی دباؤ کی وجہ سے اپنے چاہنے والوں کو تقیہ کرنے پر زیادہ زور دیتے تھے۔جیسا کہ فرمایا:

وسع لهم فی التقیه یجاهرون باظهار موالاة اولیاء الله و معادات اعداء الله اذا قدروا و یسترونها اذا عجزوا۔

خدا تعالیٰ نے شیعیان حیدر کرار کو تقیہ میں راحت اور آرام کو پوشیدہ رکھا ہے کہ اپنی طاقت اور قدر کو آشکار کرنے کا وقت آتا ہے تو اللہ کے چاہنے والوں سے محبت اور ان کے دشمنوں سے نفرت کا اعلان کریں، اور جب بھی دوسرے گروہ کے مقابلے میں کمزور واقع ہو جائے تو اس دوستی اور دشمنی کو چھپائیں؛ پھر فرمایا:

أَلَا وَ إِنَّ أَعْظَمَ فَرَائِضِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ بَعْدَ فَرْضِ مُوَالاتِنَا وَ مُعَادَاةِ أَعْدَائِنَا اسْتِعْمَالُ التَّقِيَّةِ عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَ إِخْوَانِكُمْ وَ مَعَارِفِكُمْ وَ قَضَاءُ حُقُوقِ إِخْوَانِكُمْ فِي اللَّهِ أَلَا وَ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ كُلَّ ذَنْبٍ بَعْدَ ذَلِكَ وَ لَا يَسْتَقْصِي فَأَمَّا هَذَانِ فَقَلَّ مَنْ يَنْجُو مِنْهُمَا إِلَّا بَعْدَ مَسِّ عَذَابٍ شَدِيدٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُمْ مَظَالِمُ عَلَى النَّوَاصِبِ وَ الْكُفَّارِ فَيَكُونَ عَذَابُ هَذَيْنِ عَلَى أُولَئِكَ الْكُفَّارِ وَ النَّوَاصِبِ قِصَاصاً بِمَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ مِنَ الْحُقُوقِ وَ مَا لَهُمْ إِلَيْكُمْ مِنَ الظُّلْمِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ لَا تَتَعَرَّضُوا لِمَقْتِ اللَّهِ بِتَرْكِ التَّقِيَّةِ وَ التَّقْصِيرِ فِي حُقُوقِ إِخْوَانِكُمُ الْمُؤْمِنِينَ۔ [1]

آگاہ رہو! ہمارے ساتھ دوستی اور ہمارے دشمنوں کے ساتھ نفرت اور دشمنی کے بعد خدا تعالیٰ کے واجبات میں سے سب سے بڑا واجب تقیہ کرتے ہوئے اپنی اور اپنے دوستوں کی حفاظت کرے اور اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کرے، آخر میں فرمایا: تقوی الٰہی کو اپنا پیشہ قرار

---

[1] ہمان، ج ۷۵، ص ۴۰۹۔

دواوراپنے آپ کوتقیہ نہ کرکے اوراپنے مؤمن بھائیوں کے حقوق ادانہ کرکے غضب الٰہی کا مستحق نہ بنیں۔

۳......آپ کے اصحاب میں سے ایک چاہتا تھا کہ آپ اعلانیہ طور پر حجت خدا کی حیثیت سے معرفی ہوجائے۔لیکن امامؑ نے فرمایا: خاموش رہو! یا اسے چھپائے رکھو یا آشکار کرکے موت کیلئے تیار ہوجاؤ۔[1]

حضرت حجتؑ اورتقیہ

آنحضرت (عج) کی امامت کا پہلا دور جوغیبت صغری کا دور کہلاتا ہے اورسن (۲۶۰ تا ۳۲۹)ھ پر مشتمل ہے۔اس دوران میں امام اپنے چار خاص نائبین کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ ان چار نائبین کے نام لیتے ہوئے امام کے ساتھ ان کا ارتباط اورتقیہ کے موارد کو بیان کریں گے:

۱۔ابوعمرو عثمان ابن سعید عمری

وہ امام حسن العسکریؑ کے وکیل بھی تھے جو روغن فروشی کے شغل کو اپنی فعالیتوں کیلئے وسیلہ قرار دیتے ہوئے امام تک ان کے اموال کو پہنچاتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ ابوعمرو عثمان عمری "سمان" یعنی روغن فروش کے نام سے معروف تھا۔[2]

۲۔ابوجعفر محمد بن عثمان

اس زمانے میں شیعیان حیدر کرار کا زیادہ اصرار تھا کی امامؑ کا نام مبارک معلوم ہوجائے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ اس قدر سری تھا کہ بہت سارے شیعوں کو ان کا نام بھی معلوم نہ تھا۔لیکن آنحضرت نے ایک خط میں جومحمد بن عثمان کے ذریعے بھیجے؛ جس میں یوں

---

[1] ہمان، ج۵۰،ص۲۹۰۔

[2] ہمان، ج۵۱،ص۳۴۴۔

لکھا تھا:

لیخبر الذین یسالون عن الاسم،اما السکوت و الجنة و اما الکلام و النار فانهم اوقفوا علی الاسم اذاعوہ و ان وقفوا علی المکان دلوا علیہ۔ [1]

ضروی ہے کہ ان لوگوں کو جو میرا نام جاننا چاہتے ہیں ، بتادوں کہ اس بارے میں خاموش رہیں جس میں بہشت ہے اور اگر اس بارے میں بات کرے تو اس میں جہنم ہے۔ کیونکہ جو میرا نام جاننے کے بعد اسے افشا کرے اور اگر میرے رہنے کی جگہ معلوم ہو جائے اور دوسروں کو خبر دے۔

۳۔ ابو القاسم حسین بن روح حسین بن روح جو بہت ہی محتاط انسان تھا، امنیت اور حفاظت کے تمام اصول اور قواعد وضوابط کو بروی کار لاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن عثمان کے بعد نائب امام آپ ہی کو بننا تھا، جب ایک مؤمن نے آپ سے سوال کیا کہ کیوں یہ نیابت آپ کو نہیں ملی؟

تو کہا: میں ایک ایسی موقعیت اور حالت میں تھا کہ اگر اس بارے میں مجھ پر سختی کرتے اور شاید میں آنحضرتؑ کے مکان اور جائیگاہ کو فاش کر لیتا۔ [2]

ان کے تقیہ کے بارے میں یوں نقل ہوا ہے کہ ایک مجلس میں تینوں خلیفوں کو علیؑ سے افضل اور برتر توصیف اور تمجید کرنے لگے اور لوگوں کو اپنے اوپر راضی کرانے لگے تو ایک صحابی جو آپ کے عقیدے سے باخبر تھا، ہنسنے لگے۔ جب مجلس اختتام پذیر ہوا تو اس شخص کے پاس گئے اور اسے خوب ڈھانٹ دیا اور اگر دوبارہ کبھی ایسا کیا تو قطع رابطہ کرنے کی دھمکی دی۔ [3]

۴......علی ابن محمد السمری رحمۃ اللہ علیہ ان کی وفات کے وقت ایک خط جو آنحضرتؑ نے آپ

---

[1] ہمان، ص ۳۵۱۔

[2] ہمان، ص ۳۵۹۔

[3] ہمان، ص ۳۵۶۔

کو دیا تھا جس میں نائب خاص کے منقطع اور اس کے ادعا کرنے والوں کی تکذیب کی ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ کی سیاسی تقیہ کے موارد میں شیعیان سے وجوہات لینے کے بعد ان کو کوئی رسید نہ دینا بھی شامل ہے۔[1]

اسلامی فرقے اور تقیہ

مباحث قبلی سے معلوم ہو کہ بیشتر اسلامی فرقے تقیہ کو قبول کرتے ہیں۔لیکن بعض کہتے ہیں کہ جائزنہیں ہے جیسے:

☆ فرقہ ازارقہ کہتا ہے،تقیہ نہ قولاً جائز ہے اور نہ فعلاً۔

☆ فرقہ صفریہ کہتا ہے،تقیہ قولاً جائز ہے لیکن فعلاً جائزنہیں۔

☆ فرقہ زیدیہ کہتا ہے،تقیہ اہل عصمت کیلئے جائز ہے لیکن عصمت کے نااہل کیلئے جائز ہے۔

تقیہ اور احادیث اہل سنت

اس کتاب میں یہ ایک مہم بحث ہے کہ ہم ثابت کریں گے کہ،کیا اہل سنت والجماعت اوران کے ائمہ نے بھی تقیہ کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔

وہ احادیث جنہیں مسلم اور بخاری نے ذکر کئے ہیں اہل سنت صحیح مانتے ہیں۔اور یہ دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ اپنی جان بچانے کیلئے کفر کا اظہار کرنا جائز ہے،اوراسی ضمن میں عمار بن یاسر کا قصہ نقل کرتے ہیں:

الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان۔

---

[1] ہمان،ص ۳۵۴۔

آگے کہتے ہیں کہ جب بھی اپنی جان خطر میں پڑ جائے تو عمار بن یاسر کی پیروی کرنا کوئی بدعت نہیں ہے۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ عمار، سر سے لیکر پیر تک یعنی سارا وجود ایمان سے لبریز تھا۔[1]

اہل سنت کے بعض روایات کو اس فصل میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا:

۱۔ ذہبی نے اسی قصے کو اپنی کتاب میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اگر مسلم اور بخاری نے اسے صحیح اور جائز مانا ہے تو جائز ہے۔

تقیہ اور دیدگاہ صحابہ

عمر بن خطاب (۲۳ھ) اور تقیہ

بخاری روایت کرتا ہے کہ عمر بن خطاب نے جب اسلام قبول کیا تو مشرکوں سے خوف زدہ ہوکر گھر میں چھپا رہا، اس قصہ کو عبداللہ بن عمر خطاب نے یحیی بن سلیمان کے ذریعے" عمر بن خطاب کا اسلام کے باب" میں نقل کیا ہے: وہ لکھتا ہے کہ عمر ابن خطاب بہت ہی خوف زدہ ہو گیا تھا، اچانک ابو عمرو عاص بن وائل سھمی جس کے بدن پر ریشم کے کپڑے تھے بنی سہم اور ان کے ہم پیمان افراد جو دور جاہلیت میں ان کے ساتھ ہم پیمان ہو چکے تھے، سے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ جواب نہیں دیا۔ تیری قوم کا کہنا ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے قتل کیا جائیگا۔ تو اس نے کہا: وہ لوگ تمھارا کچھ نہیں بھگاڑ سکتے۔ جب اس سے یہ بات سنی تو اس کے بعد سے میں امان محسوس

---

[1] تقیہ از دیدگاہ مذاہب وفرقہ ہای اسلامی، ص ۹۵۔

کرنے لگا۔

اس کے بعد عاص باہر آیا اور دیکھا کہ لوگ درے سے نیچے آرہے ہیں، ان سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ تو کہنے لگے: خطاب کے بیٹے کو قتل کرنے جارہے ہیں۔

اس نے کہا: نہیں تم ایسا نہیں کرو گے۔ تو وہ لوگ وہاں سے واپس چلے گئے۔ [۱]

مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث پوری صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے کہ عمر نے تقیہ کے طور پر اپنے آپ کو گھر میں چھپا رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر نے اپنی اسلامی زندگی کا آغاز ہی تقیہ سے کیا اور اس کی کوئی عاقل انسان مذمت بھی نہیں کر سکتا؛ کیونکہ یہ ایک فطری عمل ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی دشمن کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرلے تو وہ قابل مذمت ہے۔

عبداللہ ابن مسعود (۳۲ھ) اور تقیہ

عبداللہ ابن مسعود کہتا ہے: جب بھی مجھے کوئی ظالم و جابر اپنی مرضی کے مطابق الفاظ زبان پر لانے پر مجبور کرے جو ایک یا دو کوڑے لگنے سے بچنے کا سبب ہو تو ضرور وہ الفاظ زبان پر جاری کروں گا۔

اسی کے ذیل میں ابن حزم کہتا ہے: اس بارے میں کسی بھی صحابی کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ سب کا اتفاق ہے۔ [۲]

یہ بات تقیہ کے جائز ہونے اور سارے صحابہ کا اتفاق ہونے پر دلیل ہے اگر چہ جابر حکمران کے ایک یا دو تازیانے سے بچنے کیلئے ہی کیوں نہ کیا جائے۔

ابن مسعود کا تقیہ کرنے کا دوسرا مورد ولید بن عقبہ کے پیچھے نماز پڑھنا ہے کہ ولید کبھی

---

[۱] صحیح بخاری ۵:۶۰ باب اسلام عمر بن خطاب۔

[۲] المحلی ابن حزم ج ۸ ص ۳۳۶، مسالہ ۱۴۰۹۔

شراب پی کر مستی کی حالت میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آتا اور نماز جماعت پڑھاتا تھا؛ ایک دن صبح کی نماز میں اس نے چار رکعت پڑھائی!! جب لوگوں نے تعجب کیا اور ایک دوسرے کے ساتھ کانا پھوسی کرنے لگے تو کہا: کیا تمھارے لئے ایک رکعت کا اور اضافہ کروں؟

ابن مسعود نے اس سے کہا: ہم آج کے دن کو ابتدا سے ہی زیادتی کے ساتھ شروع کریں گے۔ [۱]

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن مسعود اور دوسرے تمام نماز گذاروں کا فاسق اور شراب خوار حاکم کے سامنے تقیہ کرتے ہوئے نماز ادا کی ہیں اور یہ وہی شخص ہے جسے عثمان کے زمانے میں شرابخواری کے جرم میں کوڑے مارے گئے تھے۔ [۲]

ابوالدرداء (۳۲ھ) اور تقیہ

بخاری اپنی کتاب میں ابودرداء سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک گروہ کے سامنے مسکرارہے تھے جب کہ اپنے دلوں میں ان پر لعنت بھیج رہے تھے۔ [۳]

ابوموسی اشعری (۴۴ھ) اور تقیہ

ابوموسی اشعری نے بھی اسی روایت کو اسی طرح نقل کیا ہے کہ ہم ایک گروہ کے سامنے مسکرارہے تھے جبکہ اپنے دلوں میں ان پر لعنت بھیج رہے تھے۔ اس نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اس گروہ سے مراد وہ ظالم اور جابر حکمران تھے، کہ جن کے شر سے بچنے

---

[۱] قاضی دمشقی، شرح العقیدہ الطحاویہ؛ ج ۲، ص ۵۳۳۔
[۲] صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۳۳۱، کتاب الحدود، باب الخمر۔
[۳] صحیح بخاری، ج ۸ ص ۳۷ کتاب الادب، باب المداراۃ مع الناس۔

کیلئے تقیہ کرتے ہوئے ہم ان کے سامنے مسکرا رہے تھے۔ [۱]

ثوبان (۵۴ھ) غلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تقیہ

یہ بات مشہور ہے کہ ثوبان جھوٹ کو ان موارد میں مفید اور سودمند جانتا تھا جہاں سچ بولنا مفید نہ ہو۔ غزالی (ت ۵۰۵ھ) نے ان سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جھوٹ بولنا گناہ ہے سوائے ان موارد میں کہ جہاں کسی مسلمان کو نقصان اور ضرر سے بچائے اور فائدہ پہنچے۔ [۲]

ابو ہریرہ (۵۹ھ) اور تقیہ

ان کی زندگی کے بہت سارے واقعات ہیں جنہیں پڑھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اموی حکومت والوں کی شر سے بچنے کیلئے تقیہ کو بہترین اور وسیع ترین وسیلے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ابو ہریرہ بطور واضح تقیہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر تقیہ نہ ہوتا تو میری گردن بھی اڑا چکی تھی۔

صحیح بخاری نقل کرتا ہے کہ اسماعیل نے ہمارے لئے نقل کیا کہ میرے بھائی نے ابی ذئب سے انہوں نے سعید مقبری سے انہوں نے ابی ہریرہ سے روایت کی ہے کہ: دو چیزوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم نے حفظ کیا؛ ایک کو ہم نے پھیلا دی دوسری کو مخفی رکھا۔ اگر اسے بھی آشکار کرتے تو میری گردن کٹ چکی ہوتی۔ [۳]

---

[۱] قرافی، الفروق؛ ج ۴، ص ۲۳۶۔

[۲] احیاء علوم الدین؛ غزالی، ج ۳، ص ۱۳۷۔

[۳] صحیح بخاری،، کتاب العلم، باب حفظ العلم، ج ۱ ص ۴۱۔

امام شافعی اور تقیہ

دو جگہوں پر امام شافعی نے تقیہ کیا ہے اور دونوں مورد ہارون الرشید کے ساتھ اتفاق ہوا:

۱۔سارے تاریخ دانوں کے ہاں مشہور ہے کہ امام شافعی نے ایک مدت یمن میں اپنی زندگی گزاری اور یمن کے اکثر لوگ علوی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور شافعی بھی علویوں کی طرف مائل ہوئے اور یہاں سے اس پر قسم قسم کی مشکلات آنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ ان کے اپنے قبیلے میں وہ شیعہ متہم ہوئے۔ یہ ہارون الرشید کے جاسوسوں پر مخفی نہ رہا، حماد بربری نے یمن سے ہارون الرشید کو ایک خط لکھا اور اسے علویوں کی طرف سے احساس خطر دلایا، اور شافعی کے وجود کو ان کیلئے بہت ہی خطرناک بتایا اور کہا کہ شافعی کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اس لئے ہارون نے یہ حکم دیا کہ شافعی کو بعض علوی اکابرین کے ساتھ بغداد بھیجا جائے۔ جب یہ لوگ بغداد پہنچے تو ہارون نے سارے علویوں کے قتل کا حکم دیا اور بے چون و چرا سب کو قتل کیا گیا۔لیکن شافعی نے تقیہ کے طور پر ایک جملہ کہا جو حقیقت پر مشتمل نہیں تھا، اس نے ہارون سے کہا: کیا میں اس شخص کو ترک کروں جو کہتا ہے، میں ان کے چچازاد بھائی ہوں؟! اور اس شخص کی جانب داری کروں کہ جو کہتا ہے کہ میں اس کا خادم اور غلام ہوں؟!![1]

شافعی کا یہ جملہ مؤثر ہوا اور ان کی جان بچ گئی۔

۲۔تقیہ کا دوسرا مورد پہلے مورد سے زیادہ واضح تر اور آشکار تر ہے: ایک دن شافعی کو زنجیروں میں بندھے ہوئے ہارون کے دربار میں لایا گیا۔جس میں ان کے کچھ دشمن بھی موجود تھے؛ جن میں سے ایک بشر مریسی معتزلی (۲۱۸ھ) تھا۔اس نے حکم دیا کہ شافعی کو اور سخت سزا

---

[1] بیھقی؛ مناقب الشافعی، ج۱، ص ۱۱۲۔

دی جائے جسے ہارون الرشید سن رہا تھا؛ شافعی سے کہنے لگا: تو اجماع کا مدّعی ہے کیا کوئی ایسی چیز کا علم ہے جس پر لوگوں کا اجماع قائم ہوا ہو؟

شافعی نے جواب دیا: اسی امیر المومنین پر لوگوں نے اجماع کیا ہے۔ جو بھی ان کی مخالفت کرے، وہ مارا جائے گا؛ ہارون ہنس پڑے، پھر حکم دیا کہ زنجیروں کو کھول کر اسے آزاد کر دیا جائے، پھر ان کو اپنے پاس بٹھا کر ان کا احترام کرنے لگا۔[1]

امام مالک اور تقیہ

جب تک بنی عباس کا حکم ظاہر نہیں ہوا اس وقت تک بنی امیہ کے دور میں مالک نے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل نہیں کی۔ یہ اپنی جان و مال کے خوف اور تقیہ کے سوا کچھ نہیں تھا۔

پس ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے سوال کرتے ہیں کہ کیسے آپ کے اماموں کیلئے تقیہ کرنا جائز ہوا اور ہمارے لئے تقیہ جائز نہیں؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ تعصب کی بنا پر یہ لوگ ایک جائز اور قرآنی حکم کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

ابوبکر اور تقیہ

مکہ اور مدینہ کے درمیان میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک اونٹ پر سوار تھا اور اس سے پہلے بھی ابوبکر کا مکہ اور مدینے میں آنا جانا رہتا تھا۔ راستے سے بخوبی واقف تھا۔۔۔ جب ابوبکر سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ کون ہے؟ تو اس نے کہا: یہ میرا راہنما ہے۔

واقدی کہتا ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے اور جس سے بھی ملاقات کرتے تھے اور پوچھے جاتے تھے کہ یہ کون ہے تیرے ساتھ؟ تو وہ کبھی نہیں کہتے تھے کہ:

---

[1] ابونعیم، حلیۃ الاولیاء؛ ج۹، ص ۸۲۔ ۸۴

یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے بلکہ وہ کہتا تھا کہ یہ میرا راہنما ہے۔ [1]

امام احمد بن حنبل اور تقیہ

مامون کے بعد معتصم عباسی نے دوسری مرتبہ احمد حنبل کا امتحان لیا اور پوچھا: تیرا قرآن کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

چونکہ اس وقت عرب اور یونان کے فلاسفروں اور دانشمندوں کے درمیان قرآن کے قدیم یا حادث ہونے میں اختلاف پایا جاتا تھا؛ احمد بن حنبل نے کہا: میں ایک دانشمند انسان ہوں لیکن اس مسئلے کو نہیں جانتا۔ خلیفہ نے سارے علماء کو جمع کیا تا کہ اس کے ساتھ علمی بحث شروع کرے۔ عبدالرحمن نے احمد کے ساتھ بحث شروع کی ،لیکن قرآن کے مخلوق ہونے کا اعتراف نہیں کیا، جب اسے کئی کوڑے لگے تو اسحق نے خلیفہ سے اجازت مانگی کہ وہ ان کے ساتھ مناظرہ شروع کرے گا۔ خلیفہ نے بھی اجازت دے دی۔

اسحاق: یہ جو علم تیرے پاس ہے اسے کیا کسی فرشتے کے ذریعے سے تم پر الہام ہوا ہے یا لوگوں سے حاصل کیا ہے؟

احمد: دانشمندوں سے سیکھا ہے۔

اسحاق: تھوڑا تھوڑا کر کے حاصل کیا ہے یا ایک ہی مرتبے میں؟

احمد: تھوڑا تھوڑا اور بتدریج حاصل کیا ہے۔

اسحاق: کیا مزید علم باقی ہے جو تو نے نہیں سیکھا ہے؟

احمد: ہاں ضرور باقی ہے۔

اسحاق: قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ اسی علم کی وجہ سے ہے جو ابھی تک نہیں سیکھا

---

[1] محب الاسلام، شیعہ می پرسد، ج ۲، ص ۲۷۴۔

ہےاورامیر المومنین تجھے سکھائے گا۔

احمد: امیر المومنین کے اسی بات کو قبول کرتا ہوں۔

اسحاق: کیا قرآن کے مخلوق ہونے میں؟

احمد: ہاں قرآن کے مخلوق ہونے میں۔

ان کے اس اعتراف پر گواہ رکھ کر اسے شاہی لباس تحفہ دیا اور آزاد کردیا۔[۱]

امام اہل سنت احمد بن حنبل کے اس مناظرہ پر مشہور ومعروف ادیب اور دانشمند "جاحظ" نے ایک اچھی تفسیر لکھی ہے۔ جاحظ اپنے اس رسالے میں اہل سنت سے مخاطب ہے کہ تمھارا امام احمد بن حنبل نے رنج اور امتحان کے بعد اعتراف کرلیا ہے: سوائے کافرستان کے کہیں اور تقیہ جائز نہیں ہے۔ لیکن ان کا قرآن کے بارے میں مخلوق ہونے کا اعتراف کرنا تقیہ کے سوا کچھ اور تھا؟! اور کیا یہ تقیہ دارالاسلام میں انہوں نے نہیں کیا جو اپنے عقیدے کی تکذیب کررہا ہے ؟! اگر ان کا اقرار صحیح تھا تو تم ان سے اور وہ تم سے نہیں ہے۔

شیعہ ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں کہ حجر بدعدی اور یزید بن صوحان عبدی جو علیؑ کے ماننے والے تھے ان کا معاویہ کا ظالمانہ اور جابرانہ دربار میں علی کا مدح کرنا کیا تقیہ تھا؟!

بس یہ ماننا پڑے گا کہ شیعہ ہر جگہ تقیہ کو روا نہیں سمجھتے، بلکہ جہاں جائز ہو وہاں تقیہ کرتے ہیں۔

حسن بصری (۱۱۰ھ) اور تقیہ

یہ تابعین میں سے تھا کہتا ہے کہ تقیہ قیامت تک کیلئے جائز ہے[۲] یہ ان لوگوں میں

---

[۱] تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۱۹۷۔

[۲] طبری؛ جامع البیان، ج ۶، ص ۳۱۶۔

سے تھا جو صحابہ کے حالات سے واقف تھے۔اس قول کو یا ان سے سنا ہے یا اس نے اس مطلب کو قرآن سے لیا ہے۔[۱]

بخاری (۲۵۶ھ) اور تقیہ

مشروعیت تقیہ پر لکھی ہوئی کتاب "الاکراہ" میں مختلف روایات کو دلیل کے طور پر نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کا نظریہ کیا ہے؟ اس آیہ شریفہ کو نقل کرتا ہے:

وَمَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ. [۲]

جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلے۔۔۔علاوہ اس کے کہ جو کفر پر مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔اور کفر کے لئے سینہ کشادہ رکھتا ہو اس کے اوپر خدا کا غضب ہے اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

اور:

لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً. [۳]

(خبردار صاحبانِ ایمان۔مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج نہیں

---

[۱] تقیہ از دیدگاہ مذاہب وفرقہ ہای اسلامی غیر شیعی، ص ۱۲۶۔

[۲] نحل ۱۰۶۔

[۳] آل عمران ۲۸۔

ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ [1]

وہابی مذہب کے علمائے رجال اور تقیہ وہابی مذہب کے علمائے رجال تقیہ کا انکار نہیں کرتے ، بلکہ آشکارا تمام مسلمانان عالم کے سامنے تقیہ کو بروی کار لاتے ہیں جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے اولیا اور صالحین کے قبور کو گرانا ،لیکن قبر مبارک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر اور عمر کے قبور کو باقی رکھنا تقیہ کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ان کا قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب کے قبور کو باقی رکھنا کئی ملین مسلمانوں کے دلوں کو آزار پہنچنے سے بچانا ہے اور یہی تقیہ ہے۔ [2]

اسلامی فرقے اور ان کے فقہ میں تقیہ اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ اختیاری طور پر بغیر کسی جبر و اکراہ کے جائز نہیں۔اس بات پر سارے علماء کا اتفاق ہے کہ تقیہ صرف اجبار اور اکراہ کی صورت میں جائز ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب اسلامی کے فقہی کتابوں میں باب الاکراہ کے نام سے الگ باب ہے۔

فقہ مالکی اور تقیہ

امام مالک بن انس (ت ۱۷۹ھ) کے تقیہ بارے میں پہلے بیان کرچکا؛جس میں ان کا کہنا تھا: کوئی بھی ایک بات جو جابر حکمران کے دو کوڑے سے بچنے کا باعث ہو،اسے میں اپنی زبان پر جاری کروں گا۔ [3]

اسی طرح مالکی مذہب کے علماء بھی جبر اور اکراہ کے موقع پر کفر آمیز کلمات کا زبان پر لانے کو،جب کہ اس کا دل ایمان سے پر ہو؛ جائز قرار دیتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری،کتاب الاکراہ۔

[2] تقیہ از دیدگاہ مذاہب وفرق اسلامی غیر شیعی،ص ۱۶۶۔

[3] مالک بن انس؛المدونہ الکبری،ج ۳،ص ۲۹،کتاب الایمان بالطلاق۔

ابن عربی مالکی (۵۴۳ھ) کہتا ہے کہ تقیہ کرکے کافر ہوجائے لیکن ایمان سے اس کا دل مطمئن اور استوار ہو تو اس پر مرتد کا حکم جاری نہیں ہوگا۔ وہ دنیا میں معذور اور آخرت میں بخشا جائے گا۔

پھر صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اسی کے ذیل میں مالکی مذہب کے ہاں اکراہ اور اجبار کے موقع پر قسم کھانا اور اس میں تقیہ کرنا جائز ہے یا نہیں؛ اس مورد میں تقیہ کے جواز پر حکم لگاتا ہے۔ [۱]

فقہ حنفی اور تقیہ فقہ حنفی میں تقیہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ان کے فقہاء بڑے دقت اور اہتمام کے ساتھ تقیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک کتاب جس میں تقیہ کے کئی مورد بیان کیا گیا ہے جو حنفی عالم دین فرغانی (۲۹۵ھ) نے قاضی خان کے فتاوا کو جمع کرکے لکھی ہے۔

پہلا مورد:

جب کسی شخص کو کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے پر مجبور کرے، اور اگر نہ مانے تو اسے خود قتل کیا جائے گا یا اس کے بدن کا کوئی عضو کاٹا جائے گا؛ تو کیا ایسے مورد میں اس پر اکراہ صدق آتا ہے؟ اور کیا وہ ایک مسلمان کو قتل کرسکتا ہے؟ اگر جائز نہیں ہے تو کیا اس پر قصاص ہے؟

ابوحنیفہ اور محمد کہتے ہیں کہ اکراہ اس پر صدق آتا ہے اور قصاص مجبور کرنے والے سے لیا جائے گا نہ مجبور ہونے والے سے۔

ابو یوسف کہتا ہے کہ اکراہ صحیح ہے اور قصاص کسی پر بھی واجب نہیں ہے لیکن مقتول کا دیہ مجبور کرنے والے پر واجب ہے کہ تین سال کے اندر مقتول کے وارث کو دیا جائے!!!

امام مالک اور امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ اکراہ کرنے والا اور مجبور کئے جانے والا، دونوں کو قتل کرنا چاہئے۔ [۲]

---

[۱] ابن عربی؛ احکام القرآن، ج ۳، ص ۱۱۷۷۔ ۱۱۸۲۔

[۲] فرغانی؛ فتاوی قاضی خان؛، ج ۵، ص ۴۸۴۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعیا ور محمد اس بات کے قائل ہیں کہ مجبور شخص دوسرے انسان کو قتل کر سکتے ہیں۔ جب کہ شیعوں کے نزدیک شخص مجبور، خود قتل ہو تو ہو سکتا ہے لیکن کسی کو وہ قتل نہیں کر سکتا۔

دوسرا مودر: کسی فعل کا انجام دینا اس کے ترک کرنے سے بہتر ہے تو ایسی صورت میں تقیہ جائز ہے اور جب بھی اس فعل کے ترک کرنے سے وہ گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس پر تقیہ کرنا واجب ہے۔ جیسے اگر کسی کو خنزیر کا گوشت کھانے، یا شراب پینے پر مجبور کرے تو مجبور ہونے والے کو کھانا اور شراب کا پینا جائز ہے۔ اسی طرح کوئی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے اور زبان پر کفر آمیز الفاظ کے استعمال کرنے پر مجبور ہو جائے تو جائز ہے، جب کہ اس کا دل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور ان کی محبت سے پر ہو۔

تیسرا مورد: اگر کسی عورت کو قید کر کے اسے زنا کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس پر کوئی حد جاری نہیں ہوگا۔ [۱]

جب کہ شیعوں کے نزدیک مجبوری کی حالت میں بھی زنا جائز نہیں ہے۔

چوتھا مورد: اگر کسی مرد کو مجبور کرے کہ ماہ رمضان میں اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کرے یا کوئی چیز کھائے یا پیئے، تو اس پ کوئی کفارہ نہیں ہے لیکن اس روزے کی قضا اس پر واجب ہوگا۔ [۲]

فقہ شافعی اور تقیہ فقہ شافعی (۲۰۴ھ)، میں تقیہ وہاں جائز اور مباح ہے، جہاں مجبور ہونے والے کیلئے جائز ہو؛ جیسے: کفر آمیز کلمات کا زبان پر جاری کرنا، جبکہ اس کا دل ایمان سے پر ہے۔ شافعی کے نزدیک وہ شخص ایسا ہے جیسا اس نے زبان پر ایسا کوئی کفر آمیز کلمہ جاری ہی نہیں کیا ہے۔ اس بات کو عطاء بن ابی ریاح (۱۱۴ھ) کی طرف نسبت دی گئی ہے جو بڑے

---

[۱] ہمان، ج۵، ص ۴۹۲۔

[۲] ہمان، ج۵، ص ۴۸۷۔

تابعین میں سے ایک ہے۔[1]

اسی طرح ابن حجر عسکلانی شافعی (۸۲۵ھ) نے بھی مجبور کرنے کی صورت میں تقیہ کرنے اور کفر آمیز الفاظ زبان پر جاری کرنے کی اجازت دی ہے۔[2]

تقیہ کا ایک اور مورد جسے سیوطی شافعی (۹۱۱ھ) نے بیان کیا ہے: وہ صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ اگر جب بھی زبان پر کفر کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جائے تو اپنی جان بچانے کے خاطر زبان پر کفر کا اظہار کرنا افضل ہے۔ آگے لکھتا ہے کہ اسی طرح جب بھی مجبور کرے شراب پینے پر، پیشاب پینے پر، خنزیر کا گوشت کھانے پر، دوسرے کے مال تلف کرنے پر، دوسرے کے غذا کھانے پر، جھوٹی گواہی دینے پر، رمضان میں روزہ کھانے پر، واجب نماز کے ترک کرنے پر ،۔۔۔ تو اس کے لئے جائز ہے وہ انہیں انجام دے۔ ان کی تعبیر یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو خدا کی بارگاہ میں توبہ کے ذریعے ساقط ہو سکتی ہے، اکراہ کے ذریعے بھی ساقط ہو سکتی ہے۔[3]

فقہ حنبلی اور تقیہ

ابن قدامہ حنبلی (۶۲۰ھ) حالت اکراہ میں تقیہ کے مباح ہونے پر تصریح کیا ہے کہ مجبور شخص کا فعل تہدید اور اکراہ کی وجہ سے جائز ہو جائے گا اور مجازات بھی نہیں ہوگا۔[4]

فقہ حنبلی میں تقیہ کے موارد میں ذکر ہوا ہے کہ کفر آمیز کلمہ پر اگر اکراہ کیا جائے تو اس کیلئے جائز ہے حنبلی مذہب کے مفسروں نے لکھا ہے:

---

[1] امام شافعی؛ احکام القرآن، ج ۲، ص ۱۱۴ ۔ ۱۱۵۔

[2] ابن حجر عسکلانی؛ فتح الباری، ج ۱۲، ص ۲۶۳۔

[3] سیوطی؛ الاشباہ والنظایر فی قواعد وفروع الفقہ الشافعی، ص ۲۰۷ ۔ ۲۰۸

[4] ابن قدامہ، المغنی، ج ۸، ص ۲۶۲۔

ابن جوزی نے تصریح کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کفر پر مجبور کرنے کی صورت میں تقیہ کرنا جائز ہے۔[۱]

احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) کا اس بارے میں نظریہ یہ ہے کہ اگر مجبور شخص اس فعل کو انجام نہ دے تو اسے قتل کرے گا یا اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دے گا، دونوں صورتوں میں تقیہ کرنا اس کیلئے جائز ہے۔

ابن قدامہ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر کسی کو کفر آمیز کلمہ کو زبان پر لانے پر مجبور کیا جائے تو تقیہ کرے اور اس پر مرتد کا حکم نہیں لگے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ مالک، شافعی اور ابوحنیفہ کا بھی یہی رائے ہے۔

ابن قدامہ اپنے نظرئے کی تائید کیلئے قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استدلال کرتا ہے۔[۲]

---

[۱] ابن جوزی؛ زاد المسیر، ج۶، ص۶۹۶۔

[۲] ابن قدامہ؛ المغنی؛، ج۱۰، ص۹۷۔

تیسری فصل

تقیہ کے اقسام

مختلف اعتبار سے تقیہ کی کئی قسمیں ہیں:

☆ سبب کے اعتبار سے تقیہ کی دو قسم ہیں: خوفی اور مداراتی اور خود تقیہ خوفی یا حفظی کی تین قسم ہیں:

الف: تقیہ جان ، مال ،عزت ، آبرو اور ان سے متعلقہ چیزوں کی وجہ سے کیا جائے۔

ب: تقیہ اپنے مؤمن بھائیوں کے خاطر ہو کہ ان پر کوئی ضرر یا نقصان نہ آنے پائے۔

ج: تقیہ دین مقدس اسلام پر کوئی ضرر یا آنچ آنے کے ڈر سے کیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے خود مسلمانوں کے درمیان اختلافات پائی جائے لیکن اسلام کے اوپر کوئی بات نہ آئے۔

جو اختلاف اور نزاع پایا جاتا ہے، وہ تقیہ خوفی میں ہے۔ ورنہ تقیہ مداراتی کہ لوگوں کے ساتھ نیک رفتاری اور خوش اخلاقی سے پیش آنا ہے؛ جسے ایک قسم کی ہوشیاری اور چالا کی تصور کیا جاتا ہے۔

☆ تقیہ کو تقیہ کنندہ کے اعتبار سے بھی کئی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جیسے: تقیہ کنندہ یا وہ ایک عادی اور معمولی انسان ہے۔ یا مذہبی راہنما میں سے ہے۔ جیسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام فقہاء اور مسئولین۔

☆ تقیہ کو تقیہ پر مجبور کرنے والے کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں: کافر ہے یا مسلمان۔

☆ تقیہ پر عمل کرنے کے اعتبار سے بھی کئی قسمیں ہیں۔ جیسے: یا وہ فعل، حرام ہے اور چھوڑ دینا واجب ہے، یا اس فعل کا شرط یا جزا میں تقیہ کرنا ہے۔

☆ تقیہ احکام کے اعتبار سے یا واجب ہے یا حرام، یا مستحب یا مباح یا مکروہ، یا وجوب نفسی ہے یا وجوب غیری۔[1]

اقسام تقیہ

⋆ مداراتی

۱۔ مطلوبیت ذاتی رکھتا ہے = وجوب نفسی

۲۔ مطلوبیت غیری رکھتا ہے = وجوب غیری

⋆ خوفی

۱۔ حوزہ اسلام پر ضرر کا خوف کی وجہ سے۔

۲۔ دوسروں پر ضرر کا خوف کی وجہ سے۔

۳۔ یا اپنے نفس، مال اور آبرو پر ضرر کا خوف کی وجہ سے۔[2]

---

[1] اندیشہ ہای کلامی شیخ طوسی، ج ۱،ص ۲۷۷۔

[2] التقیہ فی رحاب العلمین (شیخ انصاری و امام خمینی)، ص ۱۳۔

آیات، روایات کی روشنی میں تقیہ کی چار قسمیں:

۱... تقیہ اکراهیہ

مجبور شخص کا جابر اور ظالم شخص کے دستور کے مطابق عمل کرنا تا کہ اپنی جان بچائی جا سکے اور مال دولت اور عزت کو برباد ہونے سے محفوظ رکھ سکے۔

۲... تقیہ خوفیہ

اعمال اور عبادات کا اہل سنت کے علماء اور فقہاء کے فتاوائے کے مطابق عمل کرنا، تا کہ اپنی اور اپنے ہم مسلک افراد کی جان محفوظ رکھ سکے۔

۳... تقیہ کتمانیہ

ضعف اور ناتوانی کے مواقع پر اپنا مذہب اور مذہب والوں کی حفاظت کرنا اور ان کی طاقت اور پاور کو محفوظ کرنا تا کہ بلند و بالا اہداف حاصل کر سکے۔

٤... تقیہ مداراتی یا تحبیبی

اہل سنت کے ساتھ حسن معاشرت اور صلح آمیز زندگی کرنے کے خاطر ان کے عبادی ا وراجتماعی محفلوں اور مجلسوں میں جانا تا کہ وحدت پیدا ہو اور اسلام دشمن عناصر کے مقابلے میں اسلام اور مسلمین قدرت مند ہو۔

اقسام تقیہ کی تشریح

تقیہ اکراہیہ

اس کا مصداق حضرت عمار بن یاسر (رض) ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن فرمارہا ہے:

مَن كَفَرَ بِاللّٰهِ مِن بَعْدِ إيمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبه مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ وَلَكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔ [1]

جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلے............علاوہ اس کے کہ جو کفر پر مجبور کردیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔ اور کفر کے لئے سینہ کشادہ رکھتا ہو اس کے اوپر خدا کا غضب ہے اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

اس آیہ شریفہ کی شان نزول میں مفسرین کا کہنا ہے: جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے بتوں کو اعلانیہ طور پر باطل قرار دیتے تھے تو کفار قریش اسے تحمل نہیں کرسکتے تھے۔ اور جب کوئی اسلام قبول کرتا تھا ان پر ظلم وتشدد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بلال، عمار، یاسر وسمیہ (رض) جیسے پاک دل اور ایمان سے سرشار افراد کو مختلف مواقع پر جان لیوا اذیت اور آزار پہنچاتے تھے اور ان کو دوبارہ کفر کی طرف بلاتے تھے۔ چنانچہ عمار اور ان کے ماں باپ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی اور نازیبا الفاظ زبان پر لانے پر مجبور کیا گیا؛ تو جناب یاسر اور ان کی زوجہ، یعنی حضرت عمار کے والدین نے یہ گوارا نہیں کیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کئے جائیں۔ اسی جرم میں ان دونوں کو اپنے بیٹے کے سامنے شہید کئے گئے، لیکن عمار کی جب باری آئی تو اپنی جان بچانے کے خاطر کفار قریش کے ارادے کے مطابق پیغمبر کی شان میں گستاخی کی۔ جس پر کفار نے انہیں آزاد کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت پہنچی کہ عمار نے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ تو فرمایا: ایسا ممکن نہیں کہ عمار نے دوبارہ کفر اختیار کیا ہو بلکہ وہ سر سے لیکر پیر تک ایمان سے لبریز اور اس کے گوشت و خون اور سراسر وجود میں ایمان کا نور رواں دواں ہے۔ اتنے میں عمار روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کے چہرے سے آنسو

---

[1] نحل ۱۰۶۔

صاف کیا اور فرمایا: جو کام تو نے انجام دیا ہے، قابل مذمت اور جرم نہیں ہے اگر دوبارہ کبھی ایسا موقع آجائے اور مشرکوں کے ہاتھوں گرفتار ہوجائے تو کوئی بات نہیں کہ تو ان کی مرضی کے مطابق انجام دو۔ پھر یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی۔

جس سے معلوم ہوتا کہ دینی مقدسات کی شان میں گستاخی کرنے پر مجبور ہوجائے تو کوئی بات نہیں۔ آپ کو اختیار ہے کہ یا آپ تقیہ کرکے اپنی جان بچائے یا جرأت دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش کرے۔

ایک روایت منقول ہے کہ ایک مسلمان کو مسیلمہ کے پاس لایا گیا جو نبوت کا ادعیٰ کررہا تھا۔ مسیلمہ نے پوچھا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تو کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔

مسیلمہ: میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟

مسلمان: آپ بھی اسی طرح ہے۔

دوسرے شخص کو لایا گیا، اور اس سے یہی سوال تکرار کیا، لیکن کچھ بھی نہیں کہا۔ تو اسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔

یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی، فرمایا: پہلا شخص نے ترخیص کے دستور کی رعایت کی اور دوسرے شخص نے حق کو آشکار اور بلند و بالا کیا اور اس کی حق میں دعا کی اور فرمایا: ان کیلئے شہادت مبارک ہو۔ [1]

یوسف بن عمران روایت کرتا ہے کہ میثم تمار رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے: امیر المؤمنینؑ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا: اے میثم رحمۃ اللہ علیہ جب عبید اللہ ابن زیاد تجھے میرے بارے میں گستاخی کرنے اور مجھ سے برائت کرنے کا حکم دے گا تو تو کیا کرے گا؟

میں نے کہا: یا امیر المؤمنینؑ خدا کی قسم! کبھی اظہار برائت نہیں کروں گا۔

---

[1] تقیہ در اسلام، ص ۱۰۔

فرمایا: پھر تو تم مارے جاؤ گے۔

میں نے کہا: میں صبر کروں گا؛ کیونکہ راہ خدا میں جان دینا کوئی بڑھی بات نہیں ہے۔

فرمایا: اے میثم! تیرے اس رفتار کی وجہ سے تو قیامت کے دن میرے ساتھ ہونگے۔

پس یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اگر کسی نے تقیہ کے موارد میں تقیہ نہیں کیا تو اس نے خودکشی کر لی ہو ، بلکہ ایسے موارد میں انسان کو اختیار ہے کہ وہ شہادت کو اختیار کرے یا تقیہ کر کے اپنی جان بچائے تا کہ آئندہ ائمہ طاہرین علیہم السلام اور اسلام کی زیادہ خدمت کر سکے۔

تقیہ خوفیہ اور اسکی اسناد

تقیہ خوفیہ کی تعریف گزر گئی لیکن اس کے موارد کو خود عاقل اور باہوش انسان تشخیص دے سکتے ہیں۔ جب ایک اہم اور مہم کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو اہم کو مہم پر مقدم کرنا ہے اور تقیہ خوفیہ کے اسناد درج ذیل ہیں:

ا سید مرتضی علم الہدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا رسالہ (محکم اور متشبہ) میں تفسیر نعمانی سے نقل کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: خدا تعالیٰ نے مؤمن کو کافروں کے ساتھ دوستی اور وابستگی سے منع کیا ہے لیکن تقیہ کے مواقع پر تظاہر کرنے کی اجازت دی گئی ہے پھر اس آیہ شریفہ کی تلاوت کی:

لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ۔ [1]

خبردار صاحبانِ ایمان۔ مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج بھی نہیں

---

[1] سورہ آل عمران/ ۲۸۔

ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ مؤمنین کیلئے رخصت دینا، خدا کی رحمت اور تفضّل ہے کہ تقیہ کے موقع پر ظاہر ہوتا ہے۔ [۱]

۲ تقیہ خوفیہ کی دوسری دلیل: طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے امیر المؤ منینؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں طبیب یونانی سے گفتگو کرنے اور کچھ اسرار ولایت دکھانے کے بعد وظیفہ شرعی کے بیان کرنے کے ضمن میں تجھے دستور دونگا کہ تم اپنے دین میں تقیہ پر عمل کرو۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

لا یتخذ المؤمنون...

تجھے اجازت دونگا جب بھی تجھے کوئی مجبور کرے اور تمہیں خوف پیدا ہو جائے تو تو اپنے دشمنوں کی تعریف کیا کرو اور ہم سے دشمنی کا اظہار کرو۔ اگر واجب نمازوں کے پڑھنے سے جان کا خطرہ ہو تو، ترک کر دو۔ اس طرح کچھ دستور دینے کے بعد فرمایا: درحالیکہ تمھارے دل میں ہماری محبت پائی جاتی ہے اور ہماری پیروی کرتے ہو۔ مختصر وقت کیلئے ہم سے برائت کا اظہار کر کے اپنی جان، مال ناموس اور دوستوں کو طولانی مدت کیلئے بچا لو؛ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ تم پر آسانی کے دروازے کھول دے اور یہ بہتر ہے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے اور اپنے دوستوں کی خدمات اور دینی امور میں ان کی اصلاح کرنے میں کوتاہی سے بچائے۔ [۲]

تقیہ کتمانیہ یعنی دین مقدس اسلام اور مکتب اہل بیتؑ کی نشر و اشاعت کے خاطر اپنی فعالیتوں کو مخفی اور پوشیدہ رکھنا، تا کہ دشمنوں کے مقابلے میں زیادہ قدرت مند ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ہمارے دینی اور مذہبی راہنما حضرات اس طرح تقیہ کرنے کا حکم دیتے ہیں؟

اس کا جواب یہی ہے کہ کیونکہ مکتب تشیع ایک ایسا مکتب ہے کہ حقیقی اسلام کو صرف اور

---

[۱] وسائل الشیعہ، باب امر بالمعروف، باب ۲۹۔

[۲] علی تہرانی؛ تقیہ در اسلام، ص ۵۰۔

صرف ان میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔شیعہ ابتدا ہی سے مظلوم واقع ہوا ہے کہ جب ائمہ طاہرین علیہم السلام تقیہ کرنے کا حکم دے رہے تھے اس وقت شیعہ انتہائی اقلیت میں تھے اور ظالم وجابر اور سفاک بادشاہوں اور سلاطین کے زد میں تھے۔اگر شیعہ اپنے آداب و رسوم کو آشکار کرتے تو ہر قسم کی مشکلات ان کے سروں پر آجاتی اور جان بھی چلی جاتی اور کوئی شیعہ باقی نہ رہتا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقی اسلام باقی نہ رہتا۔یہی وجہ تھی کہ ائمہ اطہار علیہم السلام نے تقیہ کا حکم دیا۔

تقیہ کتمانیہ کی دلیل:

كِتَابُ سُلَيْمِ بْنِ قَيْسٍ الْهِلَالِيِّ، عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيّاً عليه السلام يَقُولُ يَوْمَ قُتِلَ عُثْمَانُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ التَّقِيَّةَ مِنْ دِينِ اللَّهِ وَ لَا دِينَ لِمَنْ لَا تَقِيَّةَ لَهُ وَ اللَّهِ لَوْ لَا التَّقِيَّةُ مَا عُبِدَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ فِي دَوْلَةِ إِبْلِيسَ فَقَالَ رَجُلٌ وَ مَا دَوْلَةُ إِبْلِيسَ فَقَالَ إِذَا وُلِّيَ إِمَامُ هُدًى فَهِيَ فِي دَوْلَةِ الْحَقِّ عَلَى إِبْلِيسَ وَ إِذَا وُلِّيَ إِمَامُ ضَلَالَةٍ فَهِيَ دَوْلَةُ إِبْلِيسَ۔ [1]

کتاب سلیم بن قیس ہلالی نے حسن بصری سے روایت کی ہے: ہم نے امیر المؤمنینؑ سے قتل عثمان کے دن فرماتے ہوئے سنا: ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تاکید کے ساتھ فرماتے ہوئے سنا: تقیہ میرا دین ہے اور جو بھی تقیہ کا قائل نہیں، اس کا کوئی دین نہیں اور اگر تقیہ کے قوانین پر عمل نہ ہوتا تو شیطان کی سلطنت میں روی زمین پر خدا کی کوئی عبادت نہ ہوتی۔اس وقت کسی نے سوال کیا، ابلیس کی سلطنت سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: اگر کوئی خدا کا ولی یا عادل امام لوگوں پر حکومت کرے تو وہ خدائی حکومت ہے، اور اگر کوئی گمراہ اور فاسق شخص حکومت کرے تو وہ شیطان کی حکومت ہے۔

اس روایت سے جو مطلب ہمیں حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس طاغوتی حکومت کے

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص ۲۵۲ باب وجوب التقیۃ مع الخوف۔

دوران صرف اپنے مذہب کو مخفی رکھنا اور خاموش رہنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں بھی خدا تعالیٰ کی عبادت و بندگی ہوتی رہے۔

اصحاب کہف کا عمل بھی اسی طرح کا تقیہ تھا، اور حضرت ابوطالبؑ کا تقیہ بھی اسی قسم کا تقیہ شمار ہوتا ہے۔ جسے ابتدائے اسلام میں انہوں نے اختیار کیا تھا۔ کہ اپنے دین کو کفار قریش سے مخفی رکھا گیا اور کفار کا ہم مسلک ظاہر کرتے رہے تا کہ رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت اور حفاظت آسانی سے کر سکے اور مخفی طور پر دین مبین اسلام کی ترویج اور انتشار کرتے رہے۔ چنانچہ آپ ہی کی روش اور ٹیکنک کی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سارے خطرات دور ہوتے رہے۔

تقیہ مداراتی

اس نوع کی تعریف گذر گئی۔ لیکن اس کی شرعی جواز پر دلیل درج ذیل ہیں:

☆ امام سجادؑ نے صحیفہ سجادیہ مسلمانوں کیلئے دعائے خیر اور کفار کیلئے بددعا کرتے ہوئے فرمایا: خدایا اسلام اور مسلمین کو دشمن کے آفات و بلیات سے محفوظ فرما، اوران کے اموال کو باثمر و منفعت اور پر برکت فرما اور انہیں دشمن کے مقابلے میں زیادہ قدرت مند اور شان وشوکت اور نعمت عطا فرما اور میدان جنگ میں انہیں کافروں پر فتح ونصرت عطا فرما اور تیری عبادت اور بندگی کرنے کی مہلت اور فرصت عطا فرما تا کہ توبہ اور استغفار اور راز و نیاز کر سکے، خدایا! مسلمانوں کو ہر طرف سے مشرکوں کے مقابلے میں عزت اور قدرت عطا فرما اور مشرکوں اور کافروں کو اپنے درمیان جنگوں میں مشغول فرما! تا کہ وہ مسلمانوں کے حدود اور دیار کی طرف دست درازی نہ کر سکے۔ [1]

---

[1] ہمان، ص ۱۰۰۔

☆ معاویہ بن وہب کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا: کہ دوسرے مسلمانوں اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کے ساتھ زندگی کرنے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟

امامؑ نے فرمایا: ان کی امانتوں کو پلٹایا جائے اور جب آپس میں کوئی نزاع پیدا ہو جائے اور حاکم شرع کے پاس پہنچ جائے تو حق دار کے حق میں گواہی دو اور ان کے بیماروں کی عیادت کیلئے جاؤ اور ان کے مرنے والوں کی تشییع جنازے میں شرکت کرو۔ [1]

☆ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ایاکم ان تعملوا عملا نعیّر به فان ولد السوء یعیّر ولده بعمله۔ کونوا لمن انقطعتم الیه زینا ولا تکونوا علینا شینا، صلوا فی عشائرهم عودوا مرضاهم و اشهدوا جنائزهم ولا یسبقونکم الی شیئ من الخیر۔ فا نتم اولی به منهم۔ والله ما عبدالله بشیئ احب الیه من الخباء۔ قلت: و ما الخباء؟ قال علیه السلام: التقیه۔ [2]

کوئی ایسے کاموں کے مرتکب ہونے سے پرہیز کرو جو ہمارے مخالفین کے سامنے سرزنش کا باعث بنے، کیوں کہ لوگ باپ کو ان کے برے بیٹوں کے اعمال کی وجہ سے ملامت کرتے ہیں۔کوشش کریں کہ ہمارے لئے باعث زینت بنو نہ باعث ذلت۔اہل سنت کے مراکز میں نماز پڑھا کرو اور بیماروں کی عیادت کیا کرو اور ان کے مردوں کی تشییع جنازے میں شرکت کیا کرو اور ہر اچھے کاموں میں ان پر سبقت لے جاؤ ان صورتوں میں اگر ضرورت پڑی تو محبت جلب کرنے اور اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کیلئے اپنے عقائد کو چھپاؤ۔خدا کی قسم ایسے مواقع میں اپنے کو کتمان کرنا بہترین عبادت ہے۔راوی نے سوال کیا: یا بن رسول اللہ! کتمان سے کیا مراد ہے؟! تو فرمایا: تقیہ۔

---

[1] وسائل الشیعہ، ج۱، کتاب حج، احکام عشرت۔

[2] ہمان، ج۱۱، ص۴۷۱۔

یہ تقیہ مداراتی اور تحبیبی کے جواز پر کچھ دلائل تھے۔ لیکن ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ سارے عقیدتی ،فکری اور سلیقائی اختلافات مکمل طور پر ختم کر کے صرف ایک ہی عقیدہ اور سلیقہ کا پابند ہوجائے ؟!

اس سوال کا جواب بالکل منفی میں ملے گا۔ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ کوئی بھی قوم یا قبیلہ نہیں ملے گا جس میں سینکڑوں اختلافات اور نظریات نہیں پائی جاتی ہو۔ حتی خود دین اسلام میں کہ سارے اصول اور فروع دین توحید کی بنیاد پر قائم ہے، پھر بھی زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اصلی راستے اور قاعدے سے منحرف ہوجاتے ہیں اور اختلافات کا شکار ہوجاتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے ؟! اور راہ حل کیا ہے؟!

ایک طرف سے بغیر وحدت اور اتحاد کے کوئی کام معاشرے کے حوالے سے نہیں کر پاتے ، دوسری طرف سے اس وحدت اور اتحاد کے حصول کیلئے سارے اختلافی عوامل کو پس پشت ڈالنا ہوگا۔

کیا ایسی صورت میں ہم بیٹھے رہیں اور اختلافات کے کیڑے مکوڑے معاشرے کی سعادت مند ستون کو اندر سے خالی کرتے کرتے سرنگون کرے؟! یا کوئی راہ حل موجود ہے جس کے ذریعے سے ایک حد تک وحدت برقرار کرلے؟!

یہ وہ مقام ہے جہاں دور حاضر کے مفکرین اور دانشمندوں نے کئی فارمولے تیار کئے ہیں جس کے ذریعے ممکن ہے کہ یہ ہدف حاصل ہوجائے ، اور وہ فامولے درج ذیل ہے:

۱۔ ہر معاشرہ میں موجود تمام ادارے بغیر کسی قوم پرستی، رنگ و زبان اور موقعیت ، مذہب میں فرق کئے ، اجتماعی حقوق کو بعنوان "حقوق بشر" رسمی مان لیں اور خود مداری سے پرہیز کریں۔

۲۔ ہر ملک کو چاہئے کہ معاشرے میں موجود تمام گروہوں کو اس طرح تعلیم دیں کہ اتحاد و اتفاق کی حفاظت کے خاطر اجتماعی منافع کو شخصی منافع پر مقدم رکھیں اور انہیں یہ سمجھائیں کہ

اجتماع کی بقامیں افراد کی بقا ہے۔

۳۔ ہر ایک شخص کو تعلیم دیں کہ دوسروں کے عقائد کا احترام کریں کہ معاشرے کیلئے کوئی مشکل ایجاد نہ کرے اور ملک اور معاشرے کے بنیادی اصولوں اور قواعد وضوابط کیلئے ضرر نہ پہنچائیں اور ایک دوسرے کے احساسات اور عواطف کا احترام کریں۔

۴۔ ان کو سمجھائیں کہ دوسرے مکاتب فکر کے مختلف اور معقول آداب و رسوم میں شرکت کریں۔اس طرح ایک دوسرے کے درمیان محبت پیدا کریں۔

پس اگر ایک جامعہ یا معاشرے میں ان قوانین اور اصول پر عمل درآمد ہوجائے تو سارے اسلامی مما لک ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونگے اور ایک دوسرے کے درمیان محبت اور جذبہ ایثار پیدا ہونگے۔یہی وجہ تھی کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے گوہر بار کلمات میں اس بات کی طرف تشویق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

تقیہ اور توریہ میں موازنہ

لغت میں توریہ؛ وراء (پیٹھ) سے نکلا ہے جس کا مدمقابل امام یعنی (آگے) سے لیا گیا ہے اور اصطلاح میں کسی چیز کو چھپانے کو کہا جاتا ہے۔

☆ تقیہ اور توریہ کے درمیان نسبت تباین پایا جاتا ہے۔ کیونکہ توریہ لغت میں ستر اور تقیہ صیانت اور حفاظت کو کہا جاتا ہے۔

☆ توریہ میں شخص واقعیت کا ارادہ کرتا ہے لیکن تقیہ میں نہیں۔

☆ توریہ میں کئی مصلحت کو ملحوظ نظر نہیں لیکن تقیہ میں کئی مصالح کو ملحوظ نظر رکھا جاتا ہے۔

☆ لیکن مصداق کے لحاظ سے ان دونوں میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے۔ کہ ان دونوں کا مورد اجتماع یہ ہے کہ تقیہ کرنے والا تقیہ کے موارد میں اور اظہار کے موقع پر

حق کے برخلاف، توریہ سے استفادہ کرتا ہے کیونکہ خلاف کا اظہار کرنا؛ حق کا ارادہ کرنے یا خلاف حق کا ارادہ کرنے سے ممکن ہے۔

☆ تقیہ اور توریہ میں افتراق کا ایک مورد، تقیہ کتمانی ہے کہ یہاں کوئی چیز بیان نہیں ہوئی ہے جو توریہ کا باعث بنے۔

☆ ان دونوں میں افتراق کا ایک اور مورد یہ ہے کہ توریہ میں کوئی مصلحت لحاظ نہیں ہوا ہے اور اگر کوئی مصلحت ملحوظ ہوا ہے تو بھی ذاتی منافع ہے۔

تقیہ، اکراہ اور اضطرار کے درمیان تقابل

تقیہ کے بعض موارد کو اکراہ و اضطرار کے موارد میں منحصر سمجھا جاتا ہے۔ شیخ انصاری رحمۃ اللہ علیہ مکاسب میں اکراہ کے بارمیں یوں فرماتے ہیں:

ثم ان حقیقة الاکراہ لغة و عرفا حمل الغیر علی ما یکرهه فی وقوع الفعل من ذالك الحمل اقترانه بوعید منه مظنون الترتب الغیر علی ترك ذالك الفعل مضر بحال الفاعل او متعلقه نفسا او عرضا او مالا. [1]

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اکراہ کے تحقق پانے کے تین شرائط ہیں:

۱۔ یہ مخالف کی طرف سے واقع ہوتا ہے۔ پس جہاں اگر خود انسان سے جلب منفعت یا دفع ضرر کیلئے کوئی اقدام اٹھائے تو وہ توریہ میں شامل نہیں ہے۔

۲۔ اکراہ یہ ہے کہ مستقیما کسی کام پر انسان کو مجبور کیا جائے نہ بطور غیر مستقیم۔

۳۔ تہدید اور وعید کے ساتھ ہو کہ اگر انجام نہ دے تو اس کی جان، مال، عزت آبرو خطرے میں پڑ جائے۔

---

[1] شیخ انصاری (رہ)، المکاسب، شروط متعاقدین، ص ۱۱۹۔

ان تین شرائط اوراولین آیہ شریفہ جومشروعیت تقیہ کے بارے میں نازل ہوئی جس میں عمارابن یاسر(رض) کا قصہ بیان ہواہے، سے ثابت ہوتاہے کہ بعض موارد میں تقیہ اوراکراہ میں مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ تین شرائط کے ذریعے حضرت عمار(رض) کے تقیہ کرنے پا استدلال کیا جاسکتاہے اورتقیہ کی تعریف بھی اس پر منطبق ہوسکتی ہے۔لیکن جہاں یہ تین شرائط صدق آئے اورتقیہ صدق نہ کرے تو وہ اکراہ اورتقیہ کے افتراق کے موارد ہونگے۔

چوتھی فصل

دلائل مشروعیت تقیہ

مقدمہ

ہر ایک دلیل کی بررسی کرنے سے پہلے اس محل بحث کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اس فصل میں درج ذیل عناوین پر گفتگو ہوگی:

١۔شیعوں کے نزدیک تقیہ کی مشروعیت مسلمات میں سے ہے۔صرف ایک دو موارد میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے کہ جائز ہے یا نہیں اور وہ بھی ائمہ معصومینؑ سے مربوط ہے۔لیکن اس کے مقابلے میں اہل سنت کے نزدیک کیا تقیہ جائز ہے یا نہیں؛ بحث کریں گے۔

٢۔ چونکہ ہماری بحث اہل سنت سے ہے لہذا دلائل ایسے ہوں جن کے ذریعے اہل سنت کے ساتھ استدلال کر سکے۔اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ زیادہ تر دلائل اہل سنت کی کتابوں سے پیش کریں۔

٣۔مشروعیت تقیہ سے مراد، اصل جواز تقیہ ہے جو وجوب، استحباب، مباح، اور کراہت کو بھی شامل کرتا ہے۔

٤۔مشروعیت تقیہ کے بارے میں شیعوں اور اہل سنت حضرات کے درمیان ابتداے اسلام میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔کیونکہ قرآن کریم نے اسے ثابت کیا ہے۔اصل اختلاف

شیعہ اور اہل سنت کے درمیان دو نقطے پر ہے:

الف: کیا مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ تقیہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ شیعہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

ب: اس بات کو تو مانتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں تو تقیہ جائز تھا کیونکہ اس وقت اسلام اور مسلمان ضعیف تھے۔لیکن اب چونکہ اسلام ایک قدرت منداورعزت منداور بڑی شان وشوکت والا دین بن چکا ہے تو کیا اب بھی تقیہ کرنا مناسب ہے؟

انہی سوالات اور اشکالات کے جواب میں ہم قرآن وسنت واجماع وعقل اور فطرت سے استدلال کریں گے۔

الف: قرآن

قرآن مجید نے کئی موقع پر تقیہ کے مسئلے کو بیان کیا ہے؛ کبھی تقیہ ہی کے عنوان سے تو کبھی کسی اور عنوان سے اشارہ کیا ہے کہ تقیہ قرآنی احکام کے مسلمات میں سے ہے: سورہ غافر میں اس مرد مجاہد، فدا کار اور وفادار کا ذکر ہوا ہے، جو فرعون کے دربار میں ایک خاص اور حساس مقام کا مالک ہے اور حضرت موسیٰؑ کے آئین پر محکم ایمان رکھنے والا ہے، جسے دل میں چھپا رکھا ہے تا کہ اپنے دوستوں کی ضرورت کے وقت اس سے استفادہ کیا جائے۔جس کے بارے میں فرمایا:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُه وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ

مُسۡرِفٌ کَذَّابٌ۔ [1]

اورفرعون والوں میں سے ایک مرد مؤمن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یہ کہا کہ کیا تم لوگ کسی شخص کو صرف اس بات پر قتل کررہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے؟ اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا عذاب اس کے سر ہوگا اور اگر سچا نکل آیا تو جن باتوں سے ڈرا رہا ہے وہ مصیبتیں تم پر نازل بھی ہوسکتی ہیں۔بیشک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی رہنمائی نہیں کرتا ہے۔

یہ آیہ شریفہ مؤمن آل فرعون کی مستدل اور منطقی بات کی طرف اشارہ ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

انہوں نے فرمایا: موسیٰ اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور قابل مطالعہ اور اچھی دلیل بھی ساتھ بیان کرتے ہیں تو یہ دو حالت سے خارج نہیں:

یا وہ جھوٹ بول رہا ہے،ایسی صورت میں وہ خود رسوا اور ذلیل ہوگا اور قتل کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔کیونکہ قتل کرنا اسے افکار عمومی میں ایک کامیاب اور فاتح ہیرو اور لیڈر بنا دے گا اور اس کے پیچھے ایک گروہ ہمیشہ کیلئے چلنے کی کوشش کرے گا، اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں میں زندہ رہے اور لوگ خود ان سے دور ہوجائیں۔

یا واقعاً وہ سچ کہہ رہا ہے اور خدا کی طرف سے آیا ہے، اس صورت میں جس چیز کی وہ تہدید کررہا ہے ممکن ہے تحقق پائے۔ہمارا ان کے ساتھ حساب کتاب بالکل صاف ہے اس لئے اسے قتل کرنا کسی بھی صورت میں عاقلانہ کام نہیں ہوگا۔ان کلمات کے ساتھ لوگوں کو اور بھی کچھ نصیحتیں کی۔اس طرح فرعونیوں کے دل میں وحشت اور رعب ڈال دی، جس کی وجہ سے وہ لوگ ان کے قتل کرنے سے منصرف ہوگئے۔

قرآن اس آیہ شریفہ میں مؤمن آل فرعون کے عقیدہ کو چھپانے کو ایک اچھا اور نیک

---

[1] سورہ غافر/ ۲۸۔

عمل کے طور پر معرفی کررہا ہے، کیونکہ انہوں نے ایک بہت بڑے انقلابی رہنما کی جان بچائی اور دشمنوں سے نجات دلائی۔اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ عقیدہ کو چھپانے کے سوا کچھ نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا کوئی اس مرد مجاہد کے اس عمل کو اس حساس موقع پر ایک عظیم ہدف کے بچانے کے خاطر فداکاری اور جہاد کے علاوہ اور کوئی نام دے سکتا ہے؟!

کیا کوئی اس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ اگر یہ مرد مؤمن تقیہ کے اس ٹیکنیک سے استفادہ نہ کرتا تو حضرت موسیٰؑ کی جان خطرے میں پڑ جاتی۔

حضرت ابراہیمؑ تقیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ فَرَاغَ إِلَى آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ۔ [1]

اپنی قوم سے کہنے لگے: میں بیمار ہوں اور میں تمھارے جشن میں نہیں آسکتا۔قوم نے بھی اس کو چھوڑ دیا۔ابراہیمؑ نے بھی بت خانے کو خلوت پایا؛ بتوں کو توڑنے کی نیت سے چلے اور تمام بتوں کو مخاطب کر کے کہا: تم لوگ اپنے بندوں کے رکھے ہوئے کھانوں کو کیوں نہیں کھاتے ہو؟ بات کیوں نہیں کرتے ہو؟ تم کیسے بے اثر اور باطل خدا ہو؟! پھر ایک مضبوط اور محکم کلہاڑی اٹھائی اور سب بتوں کو توڑ ڈالا سوائے ایک بڑے بت کے۔

ان آیات اور روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بتوں کو توڑنے کا ایک وسیع اور دقیق پروگرام بنا چکے تھے، اور اس پروگرام کو اجرا کرنے کیلئے ایک خاص اور مناسب موقع اور فرصت کی تلاش میں تھے۔ یہاں تک کہ وہ وقت اور عید کا دن آگیا اور اپنا کارنامہ انجام دیا۔ یہ دن دو لحاظ سے زیادہ مناسب تھا کہ ایک تو سب لوگ شہر سے دور نکل چکے تھے جس کی وجہ سے اپنا کام صحیح طریقے سے انجام دے سکتے تھے اور دوسرا یہ کہ لوگ چونکہ تہوار کے ختم ہونے کے بعد بت خانے میں عبادت کیلئے آنا تھا، لہٰذا لوگوں کے افکار اور احساس کو بیدار کرنے اور ان کو

---

[1] سورہ صافات/ ۸۹-۹۳۔

نصیحت کرنے کیلئے زیادہ موزون تھا اور آپ کا یہ کام باعث بنا کہ لوگ سوچنے لگے اور شہر بابل والے ظالم وجابر حکمرانوں کے چنگل سے آزاد ہو گئے۔

لوگوں کو آپ پر شک تو ہو چکا تھا لیکن آپ نے اپنے عقیدے کو مکمل طور پر چھپا رکھا تھا اور لوگوں کے دعوت کرنے پر کہا کہ میں بیمار ہوں۔

فقال انی سقیم۔

جبکہ آپ کے جسم مبارک پر کوئی کسی قسم کی بیماری موجود نہیں تھی۔لیکن آپ نے اپنے اس عظیم ہدف کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے خاطر توریہ کیا، کیونکہ آپ کی بیماری سے مراد روحانی بیماری تھی کہ لوگوں کے خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے کی وجہ سے احساس کر رہے تھے۔

ٹیکنیکی تقیہ کے موارد میں سے یہ مورد حضرت مسیح علیہ السلام کی جانب سے بھیجے ہوئے مبلغین کی داستان ہے جو انطاکیہ کے لوگوں کے درمیان میں بھیجے گئے تھے۔جن کے بارے میں فرمایا:

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ.[1]

اس طرح کہ ہم نے دو رسولوں کو بھیجا تو ان لوگوں نے جھٹلا دیا تو ہم نے ان کی مدد کو تیسرا رسول بھی بھیجا اور سب نے مل کر اعلان کیا کہ ہم سب تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

اس ماجرے میں ان دونوں شخص کو انطاکیہ کے بت پرستوں کے اصولوں کے ساتھ ٹکراؤ کی وجہ سے انطاکیہ کے بادشاہ نے جیل میں ڈالدیا اور کوئی تبلیغی نتیجہ حاصل نہیں ہوا۔لیکن تیسرے شخص کو، جو ان دونوں کی مدد کیلئے آئے تھے ناچار اپنا مبارزہ اور ان کے ساتھ مقابلہ کا راستہ تبدیل کرنا پڑا۔ پہلے اپنا عقیدہ چھپاتا رہا۔تاکہ اپنی تدبیر، فصاحت و بلاغت کے ساتھ حکومت کے امور میں مداخلت کر سکے۔اس کے بعد ایک مناسب فرصت اور موقع کا انتظار کرتے

---

[1] سورہ یٰسین ۱۴۔

رہے تاکہ اپنے دوستوں کونجات دلا سکے اور اس شہر کے لوگوں میں اخلاقی ، اجتماعی اور فکری انقلاب برپا کرسکے۔اتفاقاً دونوں ہدف حاصل ہوا کہ قرآن کریم نے اسے یوں تعبیر کیا ہے : ”عززنا بثالث“یعنی ہم نے اس تیسرے شخص کے ذریعے ان دونوں کی مدد کی اور ان کوعزت اور قوت بخشی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ابراہیمؑ کا اپنا اعلیٰ ہدف کو چھپا رکھنا ترس اور خوف و ہراس کی وجہ سے تھا؟ یا اس اعلیٰ اور عظیم ہدف کو حاصل کرنے کیلئے مقدمہ سازی تھی؟!

کیا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی طرف سے بھیجا ہوا تیسرا شخص بھی اپنے دوستوں کی طرح تلخ تجربات کا مرتکب ہوتا اور خود کو بھی زندان میں ڈلوا دیتا ؟! یا یہ کہ روش تقیہ سے استفادہ کرکے تینوں دوستوں کو دشمن کے قید و بند سے رہائی دلاتا ؟!!

ان آیات سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ ہدف اور فلسفہ تقیہ کیا ہے اور اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟[1]

اگر تقیہ جائز نہیں تو ان ساری آیتوں کا کیا کرو گے؟! شیعہ،تقیہ کا انکار کرنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر تقیہ جائز اور درست نہیں تو ان آیات مبارکہ کا کیا کرو گے؟ کیا ان آیات کیلئے کوئی شان نزول نہیں ہے؟ یا اہل قرآن کیلئے ان آیات کے ذریعے کوئی حکم نہیں بیان نہیں ہو رہا؟

اگر یہ آیتیں کوئی شرعی تکلیف کو معین نہیں کرتی تو نازل ہی کیوں ہوئیں؟ لیکن اگر کوئی شرعی حکم کو معین کرتی ہیں تو یہ بتائیں کہ وہ احکام کیا ہیں؟ آیات شریفہ جو اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں، درج ذیل ہیں:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبه

[1] مکارم شیرازی؛ تقیہ سپری عمیقتر برائے مبارزہ، ص ۳۵۔

وَ إِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۔ يَاقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَن يَنصُرُنَا مِن بَأْسِ اللَّهِ إِن جَاءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى وَ مَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ.[۱]

اور فرعون والوں میں سے ایک مرد مومن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یہ کہا کہ کیا تم لوگ کسی شخص کو صرف اس بات پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لے کر آیا ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا عذاب اس کے سر ہوگا اور اگر سچا نکل آیا تو جن باتوں سے ڈرا رہا ہے وہ مصیبتیں تم پر نازل بھی ہو سکتی ہیں ۔ بیشک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی رہنمائی نہیں کرتا ہے۔ میری قوم والو بیشک آج تمہارے پاس حکومت ہے اور زمین پر تمہارا غلبہ ہے لیکن اگر عذاب خدا آ گیا تو ہمیں اس سے کون بچائے گا فرعون نے کہا کہ میں تمہیں وہی باتیں بتا رہا ہوں جو میں خود سمجھ رہا ہوں اور میں تمہیں عقلمندی کے راستے کے علاوہ اور کسی راہ کی ہدایت نہیں کر رہا ہوں۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَ مَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلاَّ أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَ إِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ.[۲]

خبردار! اے ایمان والو! مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

مَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُه مُطْمَئِنٌّ

---

[۱] سورہ غافر ۲۸،۲۹۔

[۲] سورہ آلعمران ۲۸۔

بِالْاِيمَانِ وَ لَاكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ.[1]

جوشخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلے۔۔۔علاوہ اس کے کہ جو کفر پر مجبور کردیا جائے اوراس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔اور کفر کے لئے سینہ کشادہ رکھتا ہواس کے اوپر خدا کا غضب ہے اوراس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر تم لوگ تقیہ نہیں کرتے ہیں تو کیوں ہر خلیفہ اور بادشاہ کے ساتھ نشت وبرخاست کرتے ہیں اوران کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں؟ جب کہ شیعہ عقیدے کے مطابق امام جماعت کی امامت کیلئے عدالت شرط ہے اور ظالم، فاسق اور غاصب شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ ہر فاسق وفاجر کے پیچھے نماز پڑھنا اگر تقیہ نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟!!

ب: سنت موجودہ اور گذشتہ

تاریخ میں، تقیہ کو کامیابی کیلئے ایک پل کی مانند تصور کیا جاتا رہا ہے۔آپ کی تقریب ذہن کیلئے ہم کچھ مثالیں بیان کریں گے:

اعراب اوراسرئیل کے درمیان چھیڑی گئی چوتھی جنگ میں جو ماہ رمضان سن ۵۲ ھ میں واقع ہوئی اوراسرائیل کی شکست ناپذیری کا افسانہ پہلی ہی فرصت میں صحرائے سینا کے خاک میں دفن ہوا اوراسرائیل کے پرخچے اڑادیئے گئے۔جس میں فتح اور کامیابی کا اصل راز اورمہم ترین عامل استتار اور تقیہ تھا۔اگر مصر اور سوریہ والے جنگی نقشے اورنقل وانتقالات خود کوآخرین لحظہ تک نہ چھپاتے تو ہرگز اسرائیل کواتنی آسانی سے شکست نہیں دے سکتے تھے۔

---

[1] سورہ نحل ۱۰۶

۱۔تقیہ، پیغمبر ﷺ کی تدبیر

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں موجود شہامت وشجاعت اور تدبیر میں کسی دوست یا دشمن کو کوئی تردید نہیں۔

بعض مسائل جیسے تین سالہ "مخفیانہ دعوت" اور آپ کی "ہجرت" جو مکمل طور پر مخفیانہ اور چھپ کر انجام دیتے رہے۔جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے دائرہ محاصرہ سے نکلنے کے بعد ہی وہ لوگ متوجہ ہوئے۔اس کے بعد مدینہ تشریف لانے تک غار ثور میں مخفی رہنا اور رات کی تاریکیوں میں چلنا اور دن کو مخفی رہنا، یہ سب تقیہ کے اعتقادی یا عملی مصادیق میں سے ہیں۔

۲۔تقیہ، مقدس اهداف کے حصول کا ذریعہ

کیا کوئی کہ ایسے مسائل میں تقیہ کے اصولوں کا بروی کار لانے کو نقطہ ضعف یا ترس یا محافظہ کاری کہہ سکتے ہیں؟!

امام حسینؑ کہ جس نے تقیہ کے سارے نمونے کو پیروں تلے روند ڈالا ،لیکن جب بھی ضرورت محسوس کی کہ مقدس اور ابدی اہداف کے حصول اور ظلم وستم ،کفر و بے ایمانی اور ساری جہالت کے خاتمے کیلئے تقیہ کرتے ہوئے مکہ معظّمہ سے نکلے جب کہ سارے مسلمان اعمال حج انجام دینے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اس کی علت بھی خود امام حسینؑ نے فرمایا تھا اگر میں چیونٹی کی بل میں بھی گھس جاؤں تو یہ لوگ وہاں سے نکال کر مجھے شہید کر دیں گے اور اگر مکہ میں ٹھہر تے تو حرم الٰہی کو میرے خون سے رنگین کر دیں گے اور خانہ کعبہ کی بھی بے حرمتی کر دیں گے۔

تو اہل انصاف سے ہم یہی سوال کریں گے کہ امام حسینؑ کا اس موقع پر تقیہ کرنا کیا عقل انسانی کے خلاف تھا؟ یا عین عاقلانہ کام تھا؟!

۳۔نقش تقیہ اور جنگ موتہ

جنگ "موتہ" کے میدان میں مجاہدین اسلام کے صفوف میں کچھ اس طرح سے ترتیب

دینا تاکہ امپراتوری روم کے لاکھوں افراد پر مشتمل فوج جو مسلمانوں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ تھی، کے ذہنوں میں تزلزل پیدا کرے اور روحی طور پر مفلوج کرے اور یہ بہت مؤثر بھی رہا۔

۴۔فتح مکہ میں تقیہ کا کردار

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو فتح کرنے کے خاطر نہایت ہی مخفیانہ طور پر ایک نقشہ تیار کیا؛ یہاں تک کہ اپنے قریبی ترین صحابیوں کو بھی پتہ ہونے نہیں دیا۔جس کے نتیجے میں مسلمان فتح مکہ جیسی عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔اسی طرح بہت سے مواقع پر تقیہ کے اصولوں پر عمل کرکے فوجی طاقتون اور اسلحوں کی حفاظت کی۔

مقصد کہنے کا یہ ہے کہ تقیہ زندگی کے ہر میدان میں خصوصاً ملکی حفاظت کرنے والوں کا سب سے پہلا اصول تقیہ اور کتمان ہے کہ دشمنوں سے ہر چیز کو چھپائی جائے تاکہ وہ ہم پر مسلط نہ ہو۔اس لئے جو بھی تقیہ کرنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ دراصل تقیہ کے مفہوم اور معنی سے واقف نہیں یا کسی ایک خاص مکتب کو دوسرے مکاتب فکر کے سادہ لوح افراد کے سامنے متنفر کرنے کیلئے اس قرآنی اور عقلانی اصول کی اصل اور حقیقی شکل وصورت کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں۔ہم ان سے کہیں گے کہ آپ کسی مکتب کی اہانت نہیں کررہے ہیں دراصل آپ قرآن مجید کا مزاق اڑا رہے ہیں۔

۵۔تقیہ دشمنوں کے مقابلے میں دفاعی وسیلہ

تقیہ دشمنوں کے شر سے بچنے کیلئے مجاہد بروی کار لاتے ہیں تاکہ اس ٹیکنیک کے ذریعے دشمن کو غافل گیر کرکے مغلوب بنایا جائے اور میدان جنگ میں خود کامیابی سے ہمکنار ہوسکے۔اس سے معلوم ہوتا ہے تقیہ گوشہ نشین افراد اور ڈرپوک اور غیر متعہد اور عافیت آرام طلب افراد کا شیوہ نہیں ہے بلکہ یہ مجاہدین اسلام اور محافظین دین کا شیوہ ہے۔پس تقیہ بھی ایک طرح کی جنگ اور جہاد ہے اور یہ تقیہ خود وزارت دفاع اور ملکی حفاظت کرنے والوں کی طاقت شمار ہوتا

ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا:

التقیه من افضل اعمال المؤمن یصون بها نفسه و اخوانه عن الفاجرین.[1]

یعنی تقیہ مؤمن کی افضل ترین عبادتوں میں سے ہے، کیونکہ اس کے ذریعے فاسق اور فاجر طاقتوں کی شر سے وہ اپنی جان و اپنے دوسرے بھائیوں کی جان بچاتا ہے۔

۶۔تقیہ مؤمن کی روشن بینی

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ای شیئ اقر للعین من التقیة؟ان التقیة جنة المؤمن.[2]

یعنی کونسی چیز تقیہ سے زیادہ مؤمن کیلئے سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے؟!

۷۔تقیہ مؤمن کا ڈھال ہے

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

التقیة ترس المؤمن و التقیة حرز المؤمن.[3]

بے شک تقیہ مؤمن کیلئے سپر اور ڈھال ہے۔جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو دشمن کی شر سے بچاتا ہے۔اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ ایک دفاعی مفہوم رکھتا ہے جسے اپنے دشمن کے مقابلے میں بروی کار لایا جاتا ہے۔زرہ کا پہننا اور ڈھال کا ہاتھ میں اٹھانا مجاہدین اور سربازوں کا کام ہے۔ورنہ جو میدان جنگ سے بالکل بے خبر ہو اور میدان میں اگر جائے تو فرار کرنے والا ہو تو اس کیلئے زرہ پہننے اور ڈھال کے اٹھانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

۸۔تقیہ پیغمبران مجاهد کی سنت

---

[1] وسائل الشیعه ،ج ۳،باب ۲۸۔

[2] ہمان،ج ۲۴،باب ۲۶۔

[3] ہمان،ج ۶،باب ۲۴۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

علیك بالتقیه فانها سنت ابراهیم الخلیل علیہ السلام [1]

تم پر تقیہ کرنا ضروری ہے کیونکہ تقیہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی سنت ہے اور ابراہیم وہ مجاہد ہے جس نے اکیلا ظالم و جابر نمرود کے ساتھ مقابلہ کیا۔ نہ صرف اس کے ساتھ بلکہ تمام متعصب اور لجوج بت پرستوں کے ساتھ مبارزہ کیا؛ اور ہر ایک کو عقل اور منطق اور اپنی بے نظیر شجاعت کے ساتھ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرادیئے۔ ان کے باوجود حضرت ابراہیمؑ نے کئی مقام پر تقیہ کرکے اپنی جان بچائی ہے۔ لیکن کیا کوئی ابراہیم پر مصلحت اندیشی کا الزام لگا سکتا ہے؟! ہرگز نہیں۔ اس لئے تقیہ حضرت ابراہیمؑ کی سنت کے عنوان سے بھی معروف ہے۔

۹۔ تقیہ، مجاهدوں کا مقام

یہ بہت جالب بات ہے کہ امام حسن العسکریؑ سے اس سلسلے میں کئی روایات نقل ہوئی ہیں:

مثل مؤمن لا تقیة له کمثل جسد لا راس له. [2]

وہ مؤمن جو تقیہ نہیں کرتا وہ اس بدن کی طرح ہے جس پر سر نہ ہو۔

اور بالکل یہی تعبیر "صبر اور استقامت" کے بارے میں بھی آئی ہے کہ ایمان بغیر صبر و استقامت کے بغیر سر کے بدن کی طرح ہے۔ ان تعابیر سے ہماری سمجھ میں یہ بات آجاتی ہے کہ تقیہ وہی صبر و استقامت کا فلسفہ ہے۔ سر بدن کے باقی اعضا کی نسبت سب سے زیادہ فعال ہے اور تقیہ ان اصول میں سے ہے جس کے ذریعے اپنی طاقت اور اسلحہ کا بندوبست اور ان کی حفاظت کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ تقیہ، مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت

---

[1] ہمان، ج۶، باب ۲۴۔

[2] ہمان، ج۱۶، باب ۲۴۔

تقیہ کا مسئلہ اور مسلمان بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی دو ایسے فریضے ہیں جنہیں ایک دوسرے کے ساتھ ہی قرار دیا گیا ہے۔

امام حسن العسکری ؑ نے فرمایا:

و اعظمهما فرضان : قضاء حقوق الاخوان فی الله و استعمال التقیه من اعداء الله.[1]

یعنی تمام فرائض میں سے مہم ترین فریضہ دو چیزیں ہیں: اپنے دینی بھائیوں کے حقوق کا ادا کرنا اور اللہ کے دشمنوں کے سامنے تقیہ کرنا۔ اس تعبیر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تقیہ ان دو چیزوں کے درمیان ایک قسم کا رابطہ قائم کرنا ہے۔ اگر صحیح دقت کریں تو معلوم ہوگا کہ تقیہ کا مسئلہ دوسرے مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرح ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔

ج۔ عقل

معمولاً تقیہ اقلیتوں سے مخصوص ہے جو اکثریت کے پنجوں میں اسیر ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں اگر وہ اپنا عقیدہ کا اظہار کرتا ہے تو اس کے لئے جانی یا مالی نقصان کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور ساتھ ہی اس اقلیت والے گروہ کے ہاں موجود قومی سرمایہ اور طاقت کا ہدر جانے کے علاوہ اسے کچھ نہیں ملتا۔

کیا عقل نہیں کہتی کہ یہ قومی سرمائے اور طاقت کا اہم ضرورت کے موقعوں کے لئے محفوظ رکھنا ایک عاقلانہ اور اچھا کام ہے؟ بلکہ عقل کہتی ہے کہ ان طاقتوں کو اپنے عقیدے کو چھپا کر اور کتمان کر کے زخیرہ کیا جائے تا کہ انہیں مناسب فرصت اور مواقع پر بروی کار لایا جائے۔

مثال کے طور پر کوہستانی علاقوں اور دیہاتوں میں مختلف جگہوں سے پانی کے چھوٹے

---

[1] ہمان، باب ۲۸، ح۱۔

چھوٹے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں۔اگران کوایک تالاب میں جمع کریں گےتواس سے بہت بڑے مزرعے کوسیراب کرسکتے ہیں،لیکن اگران کواسی طرح بہنے دیں توکھیتوں کوسیراب کئے بغیر پانی اپنے اختتام کوپہنچ جاتاہے۔اسی لئے زمینداران چشموں کے نزدیک تالاب بناتے ہیں تاکہ اس پانی کوجمع کرکے بیج بوتے وقت زمین کوسیراب کرسکے۔جب کہ اس سے قبل سارا پانی ہدرجاتا تھا۔اسی طرح تقیہ بھی ہے کہ موقع محل پرمؤثر طریقے سے اس طاقت کواستعمال کرنے کیلئے عام موقعوں پرتقیہ کے ذریعے اس طاقت کی حفاظت کرتے ہیں۔جوایک معقول کام ہےاورایک عاقلانہ فکرہے۔

۱۔دفع ضرر

عقل بتاتی ہے کہ دفع ضرر واجب ہے؛ اورتقیہ ایک ایسی ٹیکنیک ہے کہ جس کے ذریعے انسان جانی یامالی ضررکواپنے سے اوراپنے دوسرے ہم فکرافراد سے دفع کرسکتا ہے۔اسی لئے فقہاءفرماتے ہیں:

فقد قضی العقل بجواز دفع الضرر بها (بالتقیه) بل بلزومه و اتفق علیها جمیع العقلاء: بل هو امر فطری یسوق الانسان الیه قبل کل شیئ عقله و لبه و تدعوه الیه فطرته.[1]

یعنی عقل تقیہ کے ذریعے سے دفع ضررکوجائزقراردیتی ہے بلکہ اس کے واجب ہونے پرتمام فقہاءاورعقلاءکااتفاق ہےاوراس سے بھی بالاتر یہ ایک فطری بات ہے کہ جوانسان کواس کی فطرت اورعقل سب سے پہلے تقیہ کے ذریعے اپنی جان اور مال کی حفاظت کرنے پرابھارتی ہےاوریہ غریزہ ہرانسان اورحیوان میں پایاجاتاہے۔

۲۔مھم پراھم کامقدم کرنا

فالعقل السلیم یحکم فطریا بانه عند وقوع التزاحم بین الوظیفة

---

[1] جعفرسبحانی؛مع الشیعہ الامامیہ فی عقائدہم،ص۸۹۔

الفردیه مع شوکة الاسلام و عزته و قوته او وقوع التزاحم بین الحفظ النفس و بین الواجب او محرم آخر لابد من سقوط الوظیفة الفردیه و لیست التقیه الا ذالك۔ [۱]

حکم عقل سلیم فطرتاً ایسی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے فریضے کی انجام دہی کے موقع پر اسلام کی قدرت، شان وشوکت اورعزت کے ساتھ مزاحم ہوجاتا ہے۔ یا اپنی جان بچانے کا وقت آتا ہےتو یہ کسی واجب یا حرام کام کا ترک کرنے یا انجام دینے پر مجبور ہوجاتا ہےتو ایسی صورت میں اہم کوانتخاب کرتے ہوئے مہم کوترک کرنے کا نام تقیہ ہے۔اس استدلال سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:

ان العقل یری ان احکام الدین انما شرعت لسعادة الانسان فی حیاته الی الابد، فاذا کانت هذه السعادة و ادانت الاکام متوقفة و الاخفاء عن الاعداء فی فترة من الزمن فالفعل یستقل بالحکم بحسن التقیة لقدیما للاهم علی المهم۔ [۲]

عقل بتاتی ہے کہ احکام دین کوانسان کی ابدی خوش بختی کیلئے تشریع کیا ہے۔لیکن اگر یہی خوش بختی اوراحکام دین پر عمل کرنا کچھ مدت کیلئے اپنے جانی دشمنوں سے چھپانے پر مجبور ہوتو عقل،تقیہ کرنے اوراہم کام کومہم کام پرمقدم کرنے کوایک اچھااورمناسب عمل سمجھے گی۔

اگران بیانات کومختصرطور پر بیان کرنا چاہےتو یوں کہہ سکتے ہیں: جب بھی انسان یا مکلف دوکاموں کوانجام دینے پر مجبور ہو؛لیکن ان دوکاموں میں سےصرف ایک کوفی الحال انجام دی سکتا ہے۔اب وہ سوچتا ہے کہ کس کام کوانجام دوں اورکس کام کوچھوڑ دوں؟!اگروہ عاقل اور سمجھدار ہوتو وہ جس میں مصلحت زیادہ ہوگی اسے انجام دیں گےاورجس کام میں مصلحت کم ہوگی

---

[۱] صادق، روحانی؛ فقہ الصادق، ج۱۱،ص ۳۹۳۔

[۲] محمدعلی، صالح المعلم ؛التقیہ فی فقہ اہل البیت، ج۱،ص ۶۶۔

اسے ترک کریں گے۔اسی کا نام تقیہ ہے۔

د: فطرت

اگر صحیح معنوں میں فکر کریں تو معلوم ہوگا کہ تقیہ سراسر عالم حیات کے قانون کی اساس اور بنیاد ہے اور تمام زندہ موجودات اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان بچانے کے خاطر اس اصول سے استفادہ کرتے ہیں۔ جیسے بحری حیوانات جب احساس خطر کرتے ہیں تو وہ اپنی جان بچانے کے خاطر اپنے جسم پر موجود خاص تھیلیوں سے استفادہ کرتے ہیں کہ جس میں ایک کالے رنگ کا ایک غلیظ مادہ ہوتا ہے جسے وہ اپنے اطراف میں پھیلا دیتی ہے جیسے آنسو گیس استعمال کرکے اس جگہے سے دور ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے حشرات ہیں جو اپنے جسم کو پر اور بال کے ذریعے اس طرح چھپاتے ہیں کہ بالکل اس شاخ کے رنگ وروپ میں بدل جاتا ہے اور جب تک غور نہ کرے نظر نہیں آتا۔ بعض جاندار ایسے ہیں جو مختلف موقعوں پر اپنا رنگ بھی اسی محیط کے رنگ وروپ میں تبدیل کرتے رہتے ہیں، اور اس حیران کن دفاعی سسٹم کے ذریعے جانی دشمن کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، تاکہ اپنی جان بچاسکیں۔

بعض حیوانات ہیں جو خطرے کی صورت میں اپنے جسم کو بالکل بے حس وحرکت بناتے ہیں تاکہ دشمن کو دھوکہ دے سکیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے جو بھی تقیہ کے مسئلے کو شیعوں کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے اعتراضات کرتے ہیں، حقیقت میں وہ تقیہ کے مفہوم اور معنی سے واقف نہیں ہے، یا واقف تو ہیں لیکن شیعوں کو دیگر مکاتب فکر یا سادہ لوح عوام کی نگاہوں میں گرانے کے خاطر اس فطری اور عقلانی اصول یا سسٹم سے انکار کرتے ہیں۔

ان مطالب سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کا سسٹم تمام مکاتب فکر میں کم وبیش پایا جاتا ہے۔لیکن یہ یاد رکھیں کہ ہمیشہ نیک اور صالح افراد کہ جو تعداد کے لحاظ سے تھوڑے ہیں، ان جنایت کاراور ظالم افراد کہ جو تعداد کے لحاظ سے زیادہ ہے، سے تقیہ کرتے آئے ہیں؛ تاکہ اس ٹیکنک یا سیسٹم کے ذریعے اپنی جان، مال عزت، آبرواورناموس، کی حفاظت کرسکیں۔[۱]

ہ:اجماع

جنگی نقشے بھی ہمیشہ مخفیانہ طور پر بنتا ہے کہ جنگجو افراد ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ خودکو دشمن کی نظروں سے چھپائے رکھیں ،اور اپنا جنگی سامان اور اسلحے کو میدان جنگ کے گوشہ و کنارمیں درخت کے پتوں یا کیچڑوں اور مٹی مل کر چھپاتے ہیں، اسی طرح فوجیوں کی وردیاں بھی کچھ اسطرح سے پہنائے جاتے ہیں کہ میدان جنگ میں آسانی کے ساتھ دشمنوں کی نظروں میں نہ آئے۔ یا کبھی جنگجو افراد مصنوعی دھوان چھوڑ کر دشمن کو غافل گیر کرتے ہیں۔ یا رات کی تاریکی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے ہیں۔

اسی طرح جاسوس اور اطلاعات والے جب دشمن کے علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ اس علاقے کے لوگوں کے لباس اور ماحول اور فرہنگ میں اپنے آپ کو ضم کرتے ہیں۔اگر غور کریں تو یہ سب امور تقیہ کے مختلف شکلیں ہیں۔جنہیں بروی کار لاتے ہوئے دشمن پر فتح وکامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[۲]

اداری اور دفتری کاموں میں خواہ وہ سیاسی امور ہو یا اقتصادی یا معاشرتی ،مختلف مقاصد کے حصول کیلئے رموز کا استعمال کرنا ، یہ سب اس سسٹم کی مختلف شکلیں ہیں، جسے کوئی بھی

[۱] مکارم شیرازی؛ تقیہ سپری عمیقتر ،ص ۲۲۔

[۲] ہمان،ص ۱۸۔

عاقل انسان رد نہیں کرسکتا۔ بلکہ سب ان کی تائید کریں گے۔ بلکہ اگر ایسی صورت میں جبکہ دشمن اس کے مقابل میں ہو اور وہ اپنی شجاعت دکھاتے ہوئے آشکار طور پر دشمن کے تیر و تلوار یا گولیوں کے زد میں نکلیں تو اس کی عقل پر شک کرنا چاہئے۔

یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ تقیہ ہر مکتب فکر والوں میں موجود ہے جس کے ذریعے ہی قومی سرمایہ اور عوام کی جان اور مال اور ملکی سالمیت کی حفاظت ممکن ہے۔

پانچویں فصل

وجوب تقیہ کے موارد اور اس کا فلسفہ

وجوب تقیہ کے موارد اور اس کے اہداف کو باہم بررسی کریں گے کیونکہ یہ دونوں (وجوب و ہدف) ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ اگر تقیہ کے اصلی موارد کو بیان کرے تو ہدف اصلی بھی خود بخود واضح ہوجاتا ہے۔ بطور خلاصہ تقیہ کوئی اہداف کے خاطر واجب جانا گیا ہے:

ا۔ طاقت کی محافظت

کبھی انسان کیلئے ایسا موقع پیش آتا ہے کہ جہاں اپنا عقیدہ اگر عیان اور آشکار کرے تو بغیر کسی فائدے یا اپنے اہداف سے قریب ہونے کے بجاے اس شخص یا اور کئی افراد کی جان نابود یا ناقابل تلافی نقصان کا شکار ہوسکتی ہے۔ ایسے مواقع پر عقل اور منطق حکم دیتی ہے کہ احساسات میں بے دلیل گرفتار ہوکر اپنی طاقت کو ضائع کرنے سے باز آئیں۔ بلکہ آئندہ کیلئے ذخیرہ کریں؛ تاکہ قدرت وطاقت اس قدر زیادہ ہوجائے کہ جس کے ذریعے اپنا عظیم ہدف تک رسائی ہوسکے۔ کیونکہ کسی بھی شخص میں اتنی وافر مقدار میں قدرت یا طاقت نہیں ہے کہ جنہیں کھلے دل ودماغ سے ہاتھ سے جانے دیں۔

کبھی ایک لائق اور مفید شخص کی تربیت کیلئے کئی سال ایک معاشرے کو زحمت اٹھانی

پڑتی ہے اور اپنی طاقت کو خرچ کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کریں؟!

مخصوصاً ایسے معاشرے میں جہاں اچھے اور نیک انسانوں کیافرادی قوت اور طاقت بہت کم ہو؟

یہی وجہ تھی کہ پیدائش اسلام کے شروع میں پیغمبرصلى الله عليه وآله وسلم نے تقریباً تین سال اپنا عقیدہ سوائے ایک خاص گروہ کے دوسرے لوگوں سے چھپا رکھا۔آہستہ آہستہ مسلمانوں میں افرادی طاقت میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ تقیہ کی بندش تین سال بعد ٹوٹنے لگی اور اسلام کی طرف علی الاعلان لوگوں کو دعوت دینے لگے۔لیکن پھر بھی آپ کے اوپر ایمان لانے والوں کی تعداد کم تھی؛ دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہوجاتے اور قسم قسم کی اذیت اور آزار برداشت کرنا پڑتے اور ایک معمولی بات پر انہیں قتل کردیئے جاتے تھے۔تو پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم ایسے افراد کو تقیہ کرنے کی اجازت دیتے تھے۔تاکہ اپنی دفاعی طاقت اور قوت کو اس نومولود مکتب کی حفاظت کی خاطر محفوظ کرلے اور بیہودہ اور بے ہدف اور بے دلیل اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔

۲۔ پروگرام کو چھپانے کی خاطر تقیہ

چونکہ تقیہ زیادہ تر نیک اور صالح افراد جو تعداد کے لحاظ سے کم ہیں؛ سے مربوط ہے تاکہ وہ اس ظالم اور جابر گروہ کے شر سے اپنے دین یا جان یا ناموس کو بچائیں۔یہ بھی معلوم ہے کہ اقلیت اپنی زندگی کو جاری رکھنے اور عالی ہدف تک جانے کیلئے تقیہ کے طور وطریقے سے استفادہ کرنے پر مجبور ہیں۔ورنہ اگر اکثریت کے سامنے اپنا عقیدہ برملا کرے تو وہ لوگ مزاحمت کرنے لگیں گے۔اس لئے مجبور ہیں کہ اپنے عقائد، پروگرام اور دیگر کاموں کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھنے کیلئے تقیہ کرلیں۔اس قسم کا تقیہ ظہور اسلام کے وقت بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔

ہجرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقشہ کہ جو انقلاب اسلامی کی تکمیل اور کامیابی کا پہلا قدم تھا ،آپ کا مخفیانہ طور پر نکلنا اور امیر المؤمنینؑ کا بستر پیغمبر گرامی اسلام ﷺ پر جا کر آرام کرنا اور آنحضرت کا رات کی تاریکی میں غار حرا کی طرف حرکت کرنا اور اس غار میں کئی دن تک ٹھہرنے کے بعد مدینہ کی طرف مخالف سمت میں چلنا، وغیرہ اسی تقیہ کے انواع میں سے ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا ان موقعوں پر تقیہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟!

کیا اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانان اپنا عقیدہ اور فکر کو دشمن سے نہیں چھپاتے تو کیا کامیابی ممکن تھی؟!

کیا ایسے موارد میں تقیہ کرنا ہی اپنی کامیابی اور دشمن کی نابودی کا سبب نہیں ہے؟

اسی طرح اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ نے جو تقیہ کیا تھا،عرض کر چکا، جو اگر اپنا عقیدہ نہ چھپاتے اور توریہ نہ کرتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ لوگ اسے اکیلا شہر میں رکنے دیتے؟ ہر گز نہیں۔اس صورت میں آپ کو بت خانے کی طرف جانے کی فرصت بھی کہاں ملتی؟! لیکن آپ نے جو اپنا عقیدہ چھپایا اور جو نقشہ آپ نے تیار کیا ہوا تھا اسے اپنی انتہا کو پہنچانے کیلئے تقیہ ہی سے کام لیا اور یہی آپ کی کامیابی کا راز بنا۔

ان تمام روایات میں کہ تقیہ کو بہ عنوان ایک دفاعی سپر یا ڈھال » جنۃ المؤمن، ترس المؤمن « معرفی کرایا گیا ہے وہ سب تقیہ کے اسی قسم میں سے ہیں۔

۳۔تقیہ دوسروں کی حفاظت کیلئے

کبھی اپنے عقیدے کا اظہار کرنا اپنے اثر رسوخ ہونے کی وجہ سے اپنی ذات کیلئے تو کوئی ضرر یا ٹھیس نہیں پہنچتا، لیکن ممکن ہے دوسروں کیلئے دردسر بنے۔ایسی صورت میں بھی عقیدہ کا اظہار کرنا صحیح نہیں ہے۔

اہل بیت اطہارؑ کے بعض اصحاب اور انصار کی حالات زندگی میں ایسے موارد دیکھنے میں آتا ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے ظالم و جابر حکمرانوں کی طرف سے لوگ ان کا پیچھا کر رہے تھے، ان کا اپنے اماموں کے ساتھ رابطہ قائم کرنا حکمران لوگ ان کے جانی دشمن بننے کا باعث تھا۔ ان میں سے کچھ موارد یہ ہیں:

ایک دن زرارہ نے جو امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام کے خاص صحابیوں میں سے تھے؛ امام جمعہ کو امام کی طرف سے ایک خط پہنچایا، جس میں امام نے جو لکھا تھا اس کا مفہوم یہ تھا: میری مثال حضرت خضر کی سی ہے اور تیری مثال اس کشتی کی سی ہے جسے حضرت خضرؑ نے سوراخ کیا تا کہ دشمن کے شر سے محفوظ رہے اور تیرے سر پر ایک ظالم اور جابر بادشاہ کھڑا ہے، جو کشتیوں کو غصب کرنے پر تلا ہوا ہے، جس طرح حضرت خضرؑ نے اس کشتی کو سوراخ کیا تا کہ غاصب اس کو نہ لے جائے، اسی طرح میں بھی تمہیں محفلوں میں کبھی کبھی ڈراتا اور مذمت کرتا رہوں گا، تا کہ تو فرعون زمان کے شر سے محفوظ رہے۔

امام حسینؑ سے جو تقیہ کے حدود کو سر کرنے والوں کا سردار ہیں، فرماتے ہیں:

انّ التقية يصلح الله بها امّة لصاحبها مثل ثواب اعمالهم فان تركها اهلك امّة تاركها شريك من اهلكهم۔ [1]

ایسا تقیہ کرنے والا جوامت کی اصلاح کا سبب بنے، اس کا انجام دینے والے کو اس پوری قوم کے اچھے اعمال کا ثواب دیا جائے گا۔ کیونکہ اس قوم کی طاقت اور قوت کو زیادہ خدمت کرنے کیلئے محفوظ کیا۔ لیکن اگر ایسے موارد میں تقیہ کو ترک کرے اور ایک امت کو ہلاکت میں ڈالے تو ہلاک کرنے والوں کے جرم میں یہ بھی برابر کے شریک ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موارد میں تقیہ کا ترک کرنا قاتلوں کے جرم میں

[1] وسائل الشیعہ، ج ۴، باب ۲۷۔

برابر کے شریک بنتا ہے۔ [۱]

وہ روایات جو وجوب تقیہ پر دلالت کرتی ہیں:

ا...... راوی امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اس آیہ شریفہ» اولیک یؤتون اجرہم مرّتین بما صبروا« کے ذیل میں فرمایا:

بما صبروا علی التقیة و یدرؤن بالحسنة السیّئة. قال : الحسنة التقیة و السیّئة الاذاعة۔ [۲]

صبر سے مراد تقیہ پر صبر کرنا ہے۔حسنات کے ذریعے اور سیئات کو دور کرتے ہیں اور فرمایا: حسنہ سے مراد تقیہ ہے اور سیئات سے مراد آشکار کرنا ہے۔

۲۔حسن کوفی نے ابن ابی یعفور سے اور اس نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امامؑ نے فرمایا:

قال اتقوا علی دینکم احجبوہ بالتقیہ۔ فانّہ لا ایمان لمن لا تقیة لہ انّما انتم فی الناس کالنحل فی الطیر ولو انّ الطیر یعلم ما فی اجواف النحل ما بقی منہا شیء الّا اکلتہ۔ ولو ان الناس علموا ما فی اجوافکم انّکم تحبونا اهل البیت علیہ السلام لاکلو کم بالسنتہم و لنحلو کم فی السرّ والعلانیة۔ رحم اللہ عبدا منکم کان علی ولایتنا۔ [۳]

امامؑ نے فرمایا: اپنے دین اور مذہب کے بارے میں ہوشیار رہو اور تقیہ کے ذریعے اپنے دین اور عقیدے کو چھپاؤ، کیونکہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں اور تم لوگوں کے درمیان ایسے ہیں جیسے پرندوں کے درمیان شہد کی مکھی۔اگر پرندوں کو یہ معلوم ہو کہ شہد کی مکھی

---

[۱]۔تقیہ سپری عمیقتر،ص ۸۲۔

[۲] وسائل الشیعہ، باب امر بالمعروف،ص ۴۶۰۔

[۳] ہمان،ص ۴۶۱۔

کے پیٹ میں میٹھا شہد ہے تو کبھی شہد کی مکھی کو زندہ نہیں چھوڑتے۔اسی طرح اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ تمھارے دلوں میں ہم اہل بیتؑ کی محبت موجود ہے،تو زخم زبان کے ذریعے تمہیں کھا جائیں گے اور تم پر مخفی اور علانیہ طور پر لعن طعن کریں گے۔خدا ان لوگوں پر اپنی رحمت نازل کرے جو ہماری ولایت کے پیرو ہیں۔

۳۔ عن ابی جعفر عليه السلام : يقول لاخير فيمن لا تقية له، ولقد قال يوسف عليه السلام : ايّتها العير انّكم لسارقون وما اسرقوا ۔ لقد قال ابراهيم عليه السلام : انّی سقيم والله ما كان سقيما ۔ [1]

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: جس میں تقیہ نہیں اس میں کوئی خیر نہیں اور بہ تحقیق حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

ايّتها العير!

بیشک تم لوگ چور ہو۔جبکہ انہوں نے کوئی چیز چوری نہیں کی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں بیمار ہوں۔خدا کی قسم! درحالیکہ آپ بیمار نہیں تھے۔

کیا بطور تقیہ انجام دیئے گئے اعمال کی قضا ہے ہمارے مجتہدین سے جب سوال ہوا: ہل یجب الاعادہ والقضاء فی مقام التقیہ ام تقول بالاجزاء؟ یعنی کیا تقیہ کے طور پر انجام دیئے گئے اعمال کا اعادہ یا قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ علم فقہ کی دو قسم ہے:

الف: عبادات

ب: معاملات۔

عبادات سے مراد یہ ہے کہ اس کا امتثال یا انجام دینا تعبدی ہے اور جس میں قصد قربت شرط ہے جیسے نماز،روزہ۔جب عبادت ایک زمانے سے مختص ہو مانند نماز ظہر وعصر جو مقید

---

[1] ہمان،ص ۴۶۴۔

ہے زوال شمس اور غروب شمس کے درمیان۔ کہ اسی وقت کے اندر اسے ادا کی جائے، ورنہ قضا ہوجائے گی۔ پس عبادت خود دو قسم کی ہے: (ادائیہ وقضائیہ)

اگر عبادات ناقص شرائط یا اجزا کے ساتھ ہو تو اس کا اعادہ وقت کے اندر اور قضاء ،خارج از وقت واجب ہے اور یہی قضاء واداء اور اعادہ اور اجزاء کا معنی ہے۔

اب جو تقیہ کے طور پر انجام پایا ہے وہ اگر عبادت ہے تو تقیہ میں داخل وقت اور خارج وقت کا مسئلہ ختم ہوجاتا ہے۔

شیخ انصاری رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کے جواب میں کہ کیا اعادہ یا قضاء واجب ہے؟ فرماتے ہیں اگر شارع اقدس نے واجب موسع کے تقیہ کے طور پر انجام دینے کی اجازت دی ہے، تو یہ اجازت یا کسی خاص مورد میں ہے یا عام موارد میں۔ بعنوان مثال شارع اقدس نے اجازت دی ہے کہ نماز یا مطلق عبادات کو تقیہ کے طور پر انجام دیا جائے، وقت ختم ہونے سے پہلے تقیہ کی علل و اسباب دور ہوجائے تو یہ سزاوار ہے کہ وہ اجزا جو تقیہ کی وجہ سے ساقط ہوا ہے انجام دیا جائے لیکن اگر شارع نے واجب موسع کو تقیہ کی حالت میں انجام دینے کی اجازت دی ہے خواہ خصوصی ہو یا عمومی، تو بحث اسی میں ہے کہ کیا یہ تقیہ والا حکم کو بھی شامل کرے گا یا نہیں؟

بلکہ آخر کلام یہ ہے کہ حالت تقیہ میں دیا گیا حکم مکلف سے ساقط ہوجاتا ہے، اگرچہ وقت وسیع ہی کیون نہ ہو۔ [1]

اس کے بعد شیخ انصاری رحمۃ اللہ علیہ تفصیل کے قائل ہوگئے ہیں کہ فرماتے ہیں: کہ کیا کافی ہے یا ساقط یا عادوہ وقضا ضروری ہے؟ ہم یہاں دلیل کی طرف رجوع کریں گے اور انہی اجزاء وشرائط کو جو تقیہ کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوا ہے اعادہ کریں گے۔

اگر یہ شرائط اور اجزاء کا شمول عبادات میں کسی بھی صورت میں ضروری ہے خواہ اختیاری ہو یا اضطراری ہو، تو یہاں مولی کا حکم مکلف سے ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ اجزاء میں کمی

---

[1] التقیہ فی رحاب العلمین، ص ۲۷۔

بیشی تقیہ کی وجہ سے ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ معذور تھا۔اگر چہ یہ تعذر سارا وقت باقی رہے۔ جیسے نماز کا اپنے وقت میں ادا کرنا ممکن نہیں مگر یہ کہ سرکہ کے ساتھ وضو کرے۔باوجود یکہ سرکہ میں کوئی تقیہ نہیں۔درنتیجہ نماز کا اصل حکم منتفی ہوجاتا ہے، کیونکہ نماز کیلئے شرط ہے کہ پانی کے ساتھ وضو کرے۔

لیکن اگر یہ اجزاءاور شرائط دخالت رکھتا ہو اور مکلف کیلئے ممکن بھی ہو تو واجب ہے ورنہ نہیں۔اگر یہ اجزاء تمام وقت میں ادا ہو تو اس کا حکم پہلے ہی سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے جتنا ممکن ہو انجام دیتے جائیں

اور اگر اجزاء میں عذر وقت کے اندر ہو،خواہ اس عذر کا رفع ہونے کی امید ہو یا نہ ہو، فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ آخر وقت تک انتظار کرے یا انجام دیدے۔

لہٰذا جو بھی تقیہ کے طور پر انجام دیا گیا ہے؛ یہ عبادات صحیح ہیں کیونکہ شارع نے اسے تقیہ کی حالت میں انجام دینے کی اجازت دی ہے۔[1]

کیا خلاف تقیہ عمل باطل ہے؟

یہ ایک طبیعی چیز ہے کہ اگو کوئی مولی کے حکم کی مخالفت کرے اور اس کا عمل حکم شرعی کے مطابق نہ ہو تو وہ باطل ہوجاتا ہے اور تقیہ میں بھی اگر کسی پر تقیہ کرنا واجب ہوگیا تھا لیکن اس نے تقیہ نہیں کیا تو کیا اس کا عمل بھی باطل ہوجائے گا یا نہیں؟

شیخ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر تقیہ کی مخالفت کرے جہان تقیہ کرنا واجب ہے تو اس کالازمہ یہ ہے کہ بعض ترک شدہ عمل اس میں انجام پائے گا۔تو حق یہ ہے کہ خود تقیہ کا ترک کرنا بذات خود عقاب کا موجب ہوگا۔کیونکہ مولی کے حکم کی تعمیل نہ کرنا گناہ ہے۔

---

[1] ہمان،ص۲۸۔

پس قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ فعل بھی باطل ہوگا۔ بالفاظ دیگر ہم ادلہ کے تابع ہیں اور موارد تقیہ میں ہیں۔اس کے بعد شیخ ایک توہم ایجاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شارع اقدس نے تقیہ کی صورت میں اسی فعل کا انجام دینے کا حکم دیا ہے۔

لیکن یہ توہم صحیح نہیں ہے کیونکہ تقیہ کے ساتھ قید ایک بیرونی قید ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی شرعی قید بطلان کا موجب ہے۔ [۱]

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اس عنوان «ان ترک التقیۃ ہل یفسد العمل ام لا؟» کے تحت فرماتے ہیں کہ اگر تقیہ کے برخلاف عمل کریں تو صحیح ہے، کیونکہ تقیہ کا حکم ہونا موجب نہیں بنتا کہ عمل سے بھی روکا گیا ہو۔علم اصول میں ایک قاعدہ ہے: انّ الامر بالشیئ لا یقتضی النہی عن ضدّہ سرایت نہیں کرتا۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ ہے کہ چونکہ ایک عنوان سے روکا گیا ہے اور دوسرے عناوین میں بطور مطلق تقیہ کے خلاف عمل کرنا صحیح ہے۔ [۲]

وہ موارد جہاں تقیہ حرام ہے

تقیہ عموماً دو گروہ کے درمیان مورد بحث قرار پاتا ہے اور یہ دونوں کسی نہ کسی طرح صحیح راستے سے ہٹ چکے ہوتے ہیں اور اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دردسر بنے ہوتے ہیں:

پہلا گروہ: وہ مؤمنین جو ترسو اور ڈرپوک ہیں اور وہ لوگ کوئی معلومات نہیں رکھتے، دوسرے لفظوں میں انہیں مصلحت اندیشی والے کہے جاتے ہیں کہ جہاں بھی اظہار حق کو ذاتی مفاد اور منافع کے خلاف دیکھتے ہیں یا حق بات کا اظہار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی، تو فوراً تقیہ کا

---

[۱] ہمان، ص ۲۴۔

[۲] ہمان، ص ۲۴۔

سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: التقیۃ دینی و دین آبائی لا دین لمن لاتقیۃ لہ۔یعنی تقیہ میرا اور میرے آباء واجداد کا دین ہے، جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے۔اس طرح دین اور مذہب کا حقیقی چہرہ مسخ کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ: نادان یا دانا دشمن ہے جو اپنے مفاد کے خاطر اس قرآنی دستور یعنی تقیہ کے مفہوم کو مسخ کرکے بطور کلی آئین اسلام یا مذہب حقہ کو بدنام کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ یہ لوگ تقیہ کے مفہوم میں تحریف کرکے جھوٹ،ترس،خوف،ضعیف،مسئولیت سے دوری اختیار کرنا،۔۔۔کا معنی کرتے ہیں۔سرانجام اس کا یہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو نبھانے سے دوری اختیار کرتے ہیں،

ان دونوں گروہ کی غلطی دور کرنے کیلئے کافی ہے کہ دو موضوع کی طرف توجہ کریں۔

۱۔تقیہ کا مفہوم

مفہوم تقیہ کے بارے میں پہلے بحث کر چکے ہیں، کہ تقیہ کا معنی خاص مذہبی عقیدہ کا چھپانا اور کتمان کرنا ہے اور وسیع تر مفہوم یہ ہے ہر قسم کے عقیدہ،فکر،نقشہ، یا پروگرام کا اظہار نہ کرنا،تقیہ کہلاتا ہے۔

۲۔تقیہ کا حکم

ہمارے فقہاء اور مجتہدین نے اسلامی مدارک اور منابع سے استفادہ کرتے ہوئے تقیہ کو تین دستوں میں تقسیم کئے ہیں: ۱ حرام تقیہ ۲ واجب تقیہ ۳ جائز تقیہ۔

اور کبھی اسے پانچ قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: یعنی مکروہ اور مباح کو بھی شامل کرتے ہیں۔لہذا یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ تقیہ نہ ہر جگہ واجب ہے اور نہ ہر جگہ حرام یا مکروہ، بلکہ بعض

جگہوں پر واجب، ومستحب اور بعض جگہوں پر حرام یا مکروہ ہے۔اسی لئے اگر کسی نے حرام مورد میں تقیہ کیا تو گویا اس نے گناہ کیا۔

تحریم تقیہ کے موارد اور اس کا فلسفہ

کلی طور پر جب بھی تقیہ کر کے محفوظ کئے جانے والا ہدف کے علاوہ کوئی اور ہدف جو زیادہ مہم تر ہو، خطرے میں پڑ جائے تو اس وقت تقیہ کا دائرہ توڑنا واجب ہے، چوں کہ تقیہ کا صحیح مفہوم؛ قانون اہم اور مہم کے شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جب یہ دونوں ہدف آپس میں ٹکرا جائیں تو اہم کو لیتے ہیں اور مہم کو اس پر فدا کیا جاتا ہے۔

یہی اہم اور مہم کا قانون کبھی تقیہ کو واجب قرار دیتا ہے اور کبھی حرام۔روایات کی روشنی میں بعض موارد میں تقیہ کرنا حرام ہے، درج ذیل ہیں:

ا۔ جہاں حق خطرے میں پڑ جائے

جہاں اپنے عقیدے کو چھپانا مفاسد کا پرچار اور کفر اور بے ایمانی یا ظلم وجور میں اضافہ اور اسلامی ستونوں میں تزلزل اور لوگوں کا گمراہی اور شعائر یا احکام اسلامی کا پامال ہونے کا سبب بنے تو وہاں تقیہ کرنا حرام ہے۔لہٰذا ایسے مواقع پر اگر ہم کہیں کہ تقیہ مباح ہے تو یہ بھی بہت بڑی غلطی ہوگی اور اس قسم کا تقیہ » ویران گر تقیہ « کہلائے گا۔پس وہ تقیہ مجاز یا واجب ہے جو مثبت اور مفید ہو اور اہداف کے حصول کی راہ میں رکاوٹ کا سبب نہ ہو۔

۲۔ جہاں خون خرابہ کا باعث ہو

جہان خون ریزی ہو اور بے گناہ لوگوں کی جان مال کو خطرہ ہو تو وہاں تقیہ کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ اگر کوئی مجھ سے کہہ دے کہ اگر فلانی کو تم قتل نہ کرو تو تجھے قتل کروں گا۔ تو اس صورت میں مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں اس شخص کو قتل کروں۔ اگر چہ مجھے یقین ہو جائے کہ میری جان خطرے میں ہے۔

ایسی صورت میں اگر کوئی کہہ دے کہ ہمارے پاس روایت ہے کہ (المأ مور معذور)۔ لہٰذا اگر میں فلانی کو قتل کروں تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معروف جملہ »الما مور معذور« سند کے لحاظ سے ضعیف ہے کیونکہ اس کی اصلی سند» شمر« تک پہنچتی ہے۔[۱]

اسے کوئی عاقل اور شعور رکھنے والا قبول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی جان بچانے کے خاطر کسی دوسرے بے گناہ کی جان لے لے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ قاتل ہوگا۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

انّما جعل التقیة لیحقن بها الدم فاذا بلغ الدم فلیس التقیة.[۲]

یعنی تقیہ شریعت میں اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ قومی اور انفرادی قدرت ہدر نہ جائے، اپنے اور دوسروں کے خون محفوظ رہے اور اگر خون ریزی شروع ہو جائے تو تقیہ جائز نہیں ہے۔

---

[۱] مکارم شیرازی؛ تقیہ مبارزہ عمیقتر، ص ۷۱.

[۲] شیخ اعظم انصاری؛ مکاسب، ج ۲، ص ۹۸.

۳۔وہ موارد جہاں واضح دلیل موجود ہو

وہ موارد جہاں واضح طور پر عقلی اور منطقی دلائل موجود ہو، جیسے اسلام میں شراب نوشی کی ممانعت ہے یہاں تقیہ کر کے شراب پینے کی اجازت نہیں ہے اور تقیہ حرام ہے یہاں عقیدہ چھپانے کے بجائے عقلی اور منطقی دلائل سے استدلال کریں اور ایسا حال پیدا کریں کہ مدمقابل کو یقین ہو جائے کہ یہ حکم قطعی ہے اور اس کا اجراء کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔لیکن کبھی بعض ڈرپوک اور بزدل لوگ جب شرابیوں کے محفلوں میں پہنچ جاتے ہیں تو وہ بجائے اعتراض کرنے کے، ان کے ساتھ ہم پیالہ ہو جاتے ہیں۔ یا اگر نہیں پیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ شراب میرے مزاج کیلئے مناسب نہیں ہے۔لیکن یہ دونوں صورتوں میں مجرم اور خطا کار ہیں۔ یا صراحت کے ساتھ کہہ دیں کہ ہم مسلمان ہیں اس لئے شراب نہیں پیتے۔

اسی طرح اجتماعی ، معاشرتی اور سیاسی وظیفے کی انجام دہی کے موقع پر بھی دوٹوک جواب دینا چاہئے۔

۴۔شارع اور متشرعین کے نزدیک زیادہ اہمیت والے موارد

بعض واجبات اور محرمات جو شارع اور متشرعین کے نزدیک زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، وہاں تقیہ جائز نہیں ہے۔جیسے اگر کوئی خانہ کعبہ کی بے حرمتی یا انہدام کرنے کی کوشش کرے یا اسی طرح اور دینی مراکز جیسے مسجد، ائمہ کے قبور کی بے حرمتی کرے تو وہان خاموش رہنا جرم ہے، اسی طرح گناہان کبیرہ کے ارتکاب پر مجبور کرے تو بھی انکار کرنا چاہئے۔

چھٹی فصل

تقیہ کے بارے میں شکوک اور شبہات

ائمہ طاہرینؑ کے زمانے میں دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں کی طرف سے شیعوں پر جن موضوعات پر مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کیے جانے لگے؛ ان میں سے ایک تقیہ ہے۔

سب سے پہلا اشکال اور شبہہ پیدا کرنے والا سلیمان بن جریر ابدی ہے جو فرقہ جریرہ کا رہبر ہے۔ وہ امام صادق علیہ السلام کا ہم عصر ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ شیعوں کے امام جب کسی خطا کے مرتکب ہوتے تھے تو تقیہ کو راہ فرار کے طور پر مطرح کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تقیہ کے طور پر انجام دیا گیا ہے۔ [۱]

یہ اشکال اس کے بعد مختلف کلامی اور تفسیری کتابوں میں اہل سنت کی جانب سے کرنے لگے۔ بعد میں شیعہ بڑے عالم دین سید شریف مرتضی رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ علم الہدی (۳۵۵ تا ۴۳۶) ق نے ان شبہات اور اشکالات کا جواب دیا ہے۔ [۲]

فخر رازی (۵۴۴-۶۰۶ ه) صاحب تفسیر کبیر نے «مفاتیح الغیب» میں سلیمان ابن جریر کے تقیہ کے بارے میں اس شبہہ کو تکرار کیا ہے، جس کا جواب خواجہ نصیر الدین طوسی رحمۃ اللہ علیہ (۵۷۹)

---

[۱] نوبختی، فرق الشیعہ، ص ۸۵۔

[۲] شیخ انصاری، رسائل، ج ۱ ص ۲۹۰، ۳۱۰۔

۶۵۲ق) نے دیا ہے۔[۱]

بیشترین شبہات گذشتہ دور میں تقی الدین احمد معروف بہ ابن تیمیہ (۶۶۱ تا ۷۲۸ق) کی کتاب منہاج السنّۃ، میں دیکھنے میں آتا ہے جو مجموعاً پانچ اشکالات پر مشتمل ہے۔[۲]

شبہات کی تقسیم بندی

وہ شبہات جو تقیہ سے مربوط ہے وہ تین بخش میں تقسیم کر سکتے ہیں:

وہ شبہات جو مربوط ہیں تشریع تقیہ سے

☆ تقیہ یعنی جھوٹ۔

☆ تقیہ یعنی منافقت۔

☆ تقیہ امر بالمعروف ونہی از منکر کی ضد۔

☆ تقیہ جہاد کی ضد۔

☆ تقیہ اور آیات تبلیغ کے درمیان تعارض۔

☆ تقیہ یعنی ظلم۔

وہ شبہات جو امام معصومؑ کے تقیہ سے مربوط ہے

☆ تقیہ بیان شریعت امامؑ کی ضد ہے۔

☆ تقیہ روایات «سلونی قبل ان تفقدونی» سے تضاد رکھتا ہے۔

☆ تقیہ کلام امامؑ پر عدم اعتماد کا موجب

☆ تقیہ یعنی تحلیل حرام وتحریم حلال۔

---

[۱] المحصل، ص ۱۸۲۔

[۲] ابن تیمیہ؛ منہاج السنۃ النبویہ، ج ۱، ص ۱۵۹۔

☆ تقیہ شجاعت کی ضد۔

☆ جہاں سکوت کرنا ممکن ہو وہاں تقیہ کی کیا ضرورت؟

☆ تقیہ کے علوہ اور بھی راستے ہیں۔

☆ کیا تقیہ ایک اختصاصی حکم ہے یا عمومی؟

☆ تقیہ کیا خلاف عصمت نہیں؟

☆ تقیہ کیا علم امامؑ سے منافات نہیں رکھتا؟۔

☆ تقیہ کرنے کی صورت میں کیا دین کا دفاع ممکن ہے؟

☆ کیوں ایک گروہ نے تقیہ کیا اور دوسرے گروہ نے نہیں کیا؟

وہ شبہات اور تہمتیں جو شیعوں کے تقیہ سے مربوط ہیں:

☆ تقیہ شیعوں کے اصول دین میں سے ہے۔

☆ تقیہ شیعوں کی بدعتوں میں سے ہے۔

☆ تقیہ پیروی از ائمہ اطہارؑ سے تناقض رکھتا ہے۔

☆ تقیہ زوال دین کا موجب ہے۔

☆ فتوائے امامؑ تقیہ کی صورت میں قابل تشخیص نہیں۔

☆ تقیہ شیعوں کی حالت جبن اور اضطرار ہے۔

☆ تقیہ کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے نہ مسلمانوں کے ساتھ۔

تشریع تقیہ سے مربوط شبہات کی تفصیل:

تقیہ اور جھوٹ: ابن تیمیہ اس شبہہ کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تقیہ ایک قسم کی جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنا ایک قبیح اور بری چیز ہے اور خدا تعالیٰ بری چیز کو حرام قرار دیا ہے، پس

تقیہ بھی خدا کے نزدیک قبیح اور بری چیز ہے اور جائز نہیں ہے۔ اس اشکال کیلئے دو جواب دیئے جاتے ہیں:

ا۔ اگر تقیہ جھوٹ ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہوں پر کیوں تقیہ کرنے والوں کی مدح سرائی کی ہے؟!: جیسے آل عمران کی آیہ نمبر ۲۸ میں فرمایا:

الّا ان تتقوا منھم

اور سورہ نحل کی آیہ ۱۰۶ میں فرمایا:

الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان۔

اللہ تعالیٰ نے صرف تقیہ کرنے کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ مجبوری کے وقت تقیہ کرنے کا باقاعدہ حکم دیا ہے اور تقیہ کرنے کا شوق دلایا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کیا جب کافروں کی طرف سے مجبور کیا جائے اور تقیہ کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ ہو تو وہاں کیا جھوٹ بولنا صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ ہر جگہ جھوٹ بولنا برا نہیں ہے۔ جیسے اگر کسی دو مسلمان بھائیوں کے درمیان الفت اور محبت پیدا کرنے اور خون وخرابہ سے بچنے کیلئے جھوٹ بولنا جائز ہے، کیونکہ اگر سچ بولے تو جھگڑا فساد میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

لیکن اس اشکال کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ: یہ اشکال دو مقدمہ (صغری اور کبری) سے تشکیل پایا ہے۔ صغری میں کہا کہ تقیہ ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ یہ صغری ہر مصداق اور مورد میں صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تقیہ اخفائی یعنی واقعیت کے بیان کرنے سے سکوت اختیار کرنے کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا۔ بلکہ یہ صرف تقیہ اظہاری میں صدق آسکتا ہے۔ وہ بھی توریہ نہ کرنے کی صورت میں۔

پس تقیہ کے کچھ خاص مورد ہے جہاں تقیہ کا مصداق کذب اور جھوٹ ہے۔

لیکن کبریٰ یعنی جھوٹ بولنا قبیح اور برا ہے؛ یہاں کہیں گے کہ جھوٹ ہر جگہ برا نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف عناوین کو حسن و قبح کی کسوٹی پرنا پا جاتا ہے تو ممکن ہے درج ذیل تین صورتوں

میں سے کوئی ایک صورت پائی جائے:

۱۔ یا وہ عنوان حسن و قبح کیلئے علت تامہ ہے۔جیسے حسن عدالت اور قبح ظلم۔انہیں حسن وقبح ذاتی کہا جاتا ہے۔

۲۔ یا وہ عنوان جوخود بخود حسن و قبح کا تقاضا کرتا ہو، بشرطیکہ کوئی اور عنوان جو اس تقاضے کو تبدیل نہ کرے،اس پر صدق نہ آئے۔جیسے کسی یتیم پر مارنا خود بخود قبیح ہے لیکن اگر ادب سکھانے کا عنوان اس پر صدق آجائے تو یہ قباحت کی حالت سے نکل آتی ہے۔ایسے حسن وقبح کو عرضی کہتے ہیں۔

۳۔ یا وہ عنوان جو حسن و قبح کے لحاظ سے متساوی الطرفین ہو اور حسن و قبح سے متصف ہونے کیلئے مختلف شرائط کی ضرورت ہے۔جیسے کسی پر مارنا اگر ادب سکھانے کیلئے ہو تو حسن ہے اور اگر اپنا غم وغصہ اتارنے کیلئے مارے تو قبیح ہے لیکن اگر کسی بے جان چیز پر مارے تو نہ حسن ہے اور نہ قبیح ہے۔

اور یہاں ہم اس وقت جھوٹ بولنے کو قبیح مانیں گے کہ پہلا عنوان اس پر صدق آتا ہو۔ جب کہ ایسا نہیں ہے اور عقلا نے بھی اسے دوسری قسم میں شمار کئے ہیں۔کہ جب بھی کوئی زیادہ مہمتر مصلحت کے ساتھ تزاحم ہو تو اس کی قباحت دور ہوجاتی ہے، جیسے: ایک گروہ کا خون خرابہ ہونے سے بچانے کیلئے جھوٹ بولنے کو ہر عاقل شخص جائز سمجھتا ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار بن یاسر کے تقیہ کرتے ہوئے جھوٹ بولنے اور کفار کے شر سے اپنی جان بچانے کو مورد تائید قرار دیا ہے۔

شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب تقیہ جھوٹ نہیں ہے کیونکہ، **الکذب ضد الصدق و هو الاخبار عن الشیء لا علی ما هو به**[1] یعنی جھوٹ سچائی کی ضد ہے اور جھوٹ سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کی خبر دے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

---

[1] محمود، یزدی؛ اندیشہ کلامی شیخ طوسی،ص ۲۷۹۔

پس جھوٹ کا دو رکن ہے:

الف: کسی واقعے کے بارے میں خبر دینا۔

ب: اس خبر کا واقعیت کے مطابق نہ ہونا۔

جبکہ تقیہ کے تین رکن ہیں:

الف: حق بات کا چھپانا۔

ب: مخالفین کے ساتھ موافقت کا اظہار کرنا۔

ج: اور یہ دونوں رکن اس لئے ہو کہ دشمن کے شر سے اپنی جان یا مال کو حفاظت کرے۔

لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ جھوٹ اخباری ہے اور تقیہ دشمن کو برحق ظاہر کرنا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جھوٹ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جو بات دل میں چھپا رکھا ہے وہ بھی حق ہو، جبکہ تقیہ میں یہ شرط ہے کہ جو بات دل میں چھپا رکھا ہے وہ حق ہو۔

اگر کسی نے اشکال کیا کہ جھوٹ تقیہ سے اعم ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ بالفرض تقیہ کرنے والا خبر دینے کی نیت کرے بلکہ تعریض کی نیت کرے۔ [1]

تقیہ یعنی منافقت! ممکن ہے کوئی یہ ادعا کرے کہ جو مکر اور فریب منافق لوگ کرتے ہیں، تقیہ بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ منافق دوسروں کو دھوکہ دینے کیلئے زبان پر ایسی چیز کا اظہار کرتے ہیں جس کے برخلاف دل میں چھپا رکھا ہو۔

شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مخادع اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دل میں موجود بات کے برخلاف زبان پر اظہار کرے تا کہ جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اس سے وہ محفوظ رہے۔ اسی لئے منافق کو مخادع کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ زبان کے ذریعے اسلام کا کلمہ پڑھ کر کفر کے حکم لگنے سے فرار کر کے اپنی جان بچاتا ہے۔ اگرچہ منافق مؤمن کو ظاہراً زبان کے

---

[1] ہمان، ص ۲۸۰۔

ذریعے دھوکہ دیتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے۔

یہ درست ہے کہ تقیہ میں بھی باطن کے خلاف بات کا اظہار ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی جان بچاتا ہے؛ لیکن یہ دونوں (تقیہ اور نفاق) اصولاً باہم مختلف اور متفاوت ہے اور دونوں قابل جمع بھی نہیں۔

امام صادق علیہ السلام اس مختصر حدیث میں مؤمن ہونے کا دعوا کرنے اور ایسے موارد میں تقیہ کے دامن پکڑنے والوں کو شدید طور پر ڈراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

و ایّم الله لو دعیتم لتنصرونا لقلتم لا نفعل انّما نتقی و لکانت التقیه احبّ الیکم من آبائکم و امّهاتکم ،ولو قد قام القائم ما احتاج الی مسائلکم عن ذالك و لا قام فی کثیر منکم حدّ النفاق۔ [1]

یعنی خدا کی قسم! اگر تمہیں ہماری مدد کیلئے بلائے جائیں تو کہہ دینگے ہرگز انجام نہیں دیں گے، کیونکہ ہم تقیہ کی حالت میں ہیں۔تمہارے والدین کا تقیہ کرنا تمہارے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اور جب ہمارا قائم قیام کرے گا اور ہماری حکومت تشکیل دے گا، تو خدا کی قسم بغیر سوال کئے ،منافقین کو سزا دینا شروع کرے گا جنہوں نے تمہارا حق مارا ہے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ امامؑ اپنے بعض نادان دوست کے بے موقع تقیہ کرنے کی وجہ سے غم وغصہ کا اظہار فرماتے ہوئے نفاق اور تقیہ کے درمیان حد فاصل کو واضح فرمارہے ہیں۔

اپنے مقدس اہداف کی ترقی کے خاطر پردہ پوشی کرنے اور چھپانے کا نام تقیہ ہے اور جائز ہے۔اجتماعی اور الٰہی اہداف کی حفاظت کے خاطر اپنا ذاتی اہداف کو فدا کرنے کا نام تقیہ ہے۔اس کے برخلاف اگر کوئی اپنے ذاتی مفاد کے خاطر اجتماعی اور قومی مفاد کو قربان کرے تو وہ منافق کہلائے گا۔

ایک اور حدیث میں امامؑ سے منقول ہے: جب بھی انسان ایمان کا اظہار کرے، لیکن

---

[1] وسائل الشیعہ ،ج ۲، باب ۲۵۔

بعد میں عملی میدان میں اس کے برخلاف عمل کرے تو وہ مؤمن کی صفات سے خارج ہے اور اگر اظہار خلاف ایسے موارد میں کیا جائے جہاں تقیہ جائز نہیں ہے تو اس کا عذر قابل قبول نہیں ہے:

لانّ للتقیه مواضع من ازالها عن مواضعها لم تستقم له.[1]

کیونکہ تقیہ کے بھی کچھ حدود ہیں جو بھی اس سے باہر قدم رکھے تو وہ معذور نہیں ہوگا اور حدیث کے آخر میں فرمایا: تقیہ وہاں جایز ہے جہاں دین اور ایمان میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

کمیت شاعر کہ جو مجاہدوں کی صف میں شمار ہوتا ہے کہ اپنے ذوق شاعری سے استفادہ کرتے ہوئے بنی عباس کے دور خلافت میں اس طاغوتی نظام کے خلاف قیام کیا اور مکتب اہل بیتؑ کی حمایت کی۔ ایک دن امام موسی ابن جعفرؑ کی خدمت میں پہنچا، دیکھا کہ امامؑ کا چہرہ بگڑا ہوہے۔ جب وجہ پوچھی تو شدید اور اعتراض آمیز لہجے میں فرمایا: کیا تو نے بنی امیہ کے بارے میں یہ شعر پڑھا ہے؟!

فالان صرت الی امّة

والامر لها الی مصائر

یعنی ابھی تو میں خاندان بنی امیہ کی طرف متوجہ ہوا ہوں اور ان کا کام میری طرف متوجہ ہو رہا ہے۔

کمیت کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: مولا! اس شعر کو میں نے پڑھا ہے لیکن خدا کی قسم میں اپنے ایمان پر باقی ہوں اور آپ خاندان اہل بیتؑ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے دوستداروں سے بھی محبت رکھتا ہوں اور اسی لئے آپ کے دشمنوں سے بیزار ہوں؛ لیکن اسے میں نے تقیۃً پڑھا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: اگر ایسا ہو تو تقیہ ہر خلاف کاروں کیلئے قانونی اور شرعی مجوز ملے گا اور شراب خوری بھی تقیہ کے تحت جائز ہوجائے گا اور بنی عباس کی حکومت کا دفاع کرنا بھی جائز

[1] ہمان، ج۶، باب ۲۵۔

ہوجائے گا۔ اس قسم کے تقیہ سے تملّق، چاپلوسی اور ظالموں کی ثنا خوانی کا بازار گرم اور پر رونق ہوجائے گا اور نفاق ومنافقت بھی رائج ہوجائے گا۔ [۱]

تقیہ، جہاد کے متنافی اشکال یہ ہے: اگر تقیہ کے قائل ہوجائیں تو اسلام میں جہاد کا نظریہ ختم ہونا چاہیئے۔ جبکہ اس جہاد کے خاطر مسلمانوں کی جان ومال ضائع ہوجاتی ہیں۔ [۲]

جواب: اسلامی احکام جب بھی جانی یا مالی ضرر اور نقصان سے دوچار اور روبرو ہوجاتا ہے تو دو قسم میں تقسیم ہوجاتا ہے:

۱۔ وہ احکامات جن کا اجراء کرنا کسی جانی ضرر یا نقصان سے دوچار نہیں ہوتا، جیسے نماز کا واجب ہونا، جس میں نہ مالی ضرر ہے اور نہ جانی ضرر۔

۲۔ وہ احکامات جن کا اجرا کرنا، جانی یا مالی طور پر ضرر یا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جیسے زکوۃ اور خمس کا ادا کرنا، راہ خدا میں جہاد کرنا وغیرہ۔

تقیہ کا حکم صرف پہلی قسم سے مربوط ہے۔ کہ بعض موارد میں ان احکام کو بطور حکم ثانوی اٹھایا جاتا ہے۔ لیکن دوسری قسم سے تقیہ کا کوئی رابطہ نہیں ہے اور جہاد کا حکم بھی دوسری قسم میں سے ہے، کہ جب بھی شرائط محقق ہوجائے تو جہاد بھی واجب ہوجاتا ہے۔ اگرچہ بہت زیادہ جانی یا مالی نقصان بھی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

تقیہ اور آیات تبلیغ کے درمیان تعارض

آلوسی کہتا ہے کہ تقیہ ان دو آیات کے ساتھ تعارض پیدا کرتا ہے کہ جن میں پیغمبر

---

[۱] مکارم شیرازی؛ تقیہ سپری عمیق تر، ص ۰ ۷۔

[۲] قفاری؛ اصول مذہب الشیعہ، ج ۲، ص ۷ ۸۰۔

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ [1]

۱۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ۔ [2]

اے پیغمبر آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اپنے حبیب کو تبلیغ کا حکم دے رہا ہے اگر چہ خوف اور ڈر ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا [3]

یعنی وہ لوگ اللہ کے پیغام کو پہنچاتے ہیں اور دل میں اس کا خوف رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس آیہ شریفہ میں خدا کے علاوہ کسی سے نہ ڈرنا ایک بہترین صفت قرار دیتے ہوئے سراہا گیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھپانے کی مذمت میں بھی آیات نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلاً أُوْلَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

---

[1] ابوالفضل آلوسی؛ روح المعانی، ج ۳، ص ۱۲۵۔

[2] مائدہ ۶۷۔

[3] احزاب ۳۹۔

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ [1]

جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے احکام کو چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور خدا روز قیامت ان سے بات بھی نہ کرے گا اور نہ انہیں پاکیزہ قرار دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس اشکال کیلئے یوں جواب دے سکتے ہیں ؛تبلیغ کبھی اصول دین سے مربوط ہے اور کبھی فروع دین سے اور جب بھی تبلیغ اصول دین سے مربوط ہو اور تبلیغ نہ کرنا باعث بنے کہ لوگ دین سے آشنائی پیدا نہ کرے اور لوگوں کی دین سے آشنائی اسی تبلیغ پر منحصر ہو تو یہاں تقیہ حرام ہے اور دائرہ تقیہ کو توڑ کر تبلیغ میں مصروف ہونا چاہئے ، اگرچہ تقیہ ضرر جانی یا مالی کا سبب کیوں نہ بنے ؛ کیونکہ آیات مذکورہ اور داخلی اور خارجی قرینے سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ اسی نوع میں سے ہے۔ یہاں تقیہ بے مورد ہے۔

لیکن اگر تقیہ فروع دین سے مربوط ہو تو یہاں تبلیغ اور جانی و مالی نقصانات کا مقائسہ کرے گا کہ کس میں زیادہ مصلحت پائی جاتی ہے؟ اور کون ساز یادہ مہم ہے؟ اگر جان یا مال بچانا تبلیغ سے زیادہ مہم ہو تو وہاں تقیہ کرتے ہوئے تبلیغ کو ترک کرنا واجب ہے۔ مثال کے طور پر ایک کم اہمیت والا فقہی فتویٰ دے کر کسی فقیہ یا عالم دین کی جان بچانا۔

تقیہ اور ذلّت مؤمن

اشکال

وہابی لوگ کہتے ہیں کہ تقیہ مؤمن کی ذلت کا باعث ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہر اس چیز کو جو

---

[1] بقرہ ۱۷۴۔

باعث ذلت ہو، اسے شریعت میں حرام قرار دیا ہے اور تقیہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔[1]

جواب:

اس جملے کا صغریٰ مورد اشکال ہے کیونکہ یہ بات قابل قبول نہیں کہ اگر تقیہ کو اپنے صحیح اور جائز موارد میں بروی کار لایا جائے تو موجب ذلت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دشمن کے سامنے ایک اہم مصلحت کے خاطر حق بات کرنے سے سکوت اختیار کرنا یا حق کے خلاف اظہار کرنا نہ ذلت کا سبب ہے اور نہ مذمت کا باعث۔

چنانچہ عمار ابن یاسر نے ایسا کیا تو قرآن کریم نے بھی اس کی مدح سرائی شروع کی۔

تقیہ، مانع امر بالمعروف

اشکال یہ ہے کہ تقیہ انسان کو امر بہ معروف اور نہی عن المنکر کرنے سے روکتی ہے۔ کبھی جان کا خوف دلا کر تو کبھی مال یا مقام کا۔ جب کہ یہ دونوں (امر اور نہی) واجبات اسلام میں سے ہے۔ اس مطلب کی تائید میں فرمایا: افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ ظالم و جابر حکمران کے سامنے حق بات کا اظہار کرنا بہترین جہاد ہے۔

اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے:

ا...... امر بالمعروف و نہی عن المنکر بہ صورت مطلق جائز نہیں۔ بلکہ اس کیلئے بھی کچھ شرائط و معیار ہے کہ اگر یہ شرائط اور معیار موجود ہوں تو واجب ہے۔۔ ورنہ اس کا واجب ہونا ساقط ہو جائے گا۔

من جملہ شرائط امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سے یہ ہیں: انکار کرنے میں کوئی ایسا مفسدہ موجود نہ ہو جو اس سے بھی کسی بڑے جرم، جیسے قتل و غارت میں مبتلا ہو جائے۔ ایسی صورت

---

[1] موسیٰ موسوی؛ الشیعہ والتصحیح، ص ۶۷۔

میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا جائز نہیں ہے۔

۲ وہ روایات جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا اظہار کرنے کو ممدوح قرار دیتی ہیں، وہ خبر واحد ہیں جو ادلہ عقلی کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یعنی تعارض کے موقع پر دلیل عقلی مقدم ہوگا ،اس سے دفع ضرر اور حفظ جان مراد ہے۔ [۱]

تقیہ امام معصومؑ سے مربوط شبہات

اشکال کرنے والا اس مرحلے میں تقیہ کے شرعی جواز کو فی الجملہ قبول کرتا ہے، کہ بعض موارد میں مؤمنین کیلئے تقیہ کرنا جائز ہے۔ لیکن دینی رہنماؤں جیسے امام معصومؑ کیلئے تقیہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر دین کے رہنما تقیہ کرے تو درج ذیل اشکالات وارد ہوسکتے ہیں:

تقیہ اور امامؑ کا بیان شریعت

شیعہ عقیدے کے مطابق امام معصومؑ کے وجود مبارک کو شریعت اسلام کے بیان کیلئے خلق کیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ حضرات تقیہ کرنے لگے تو بہت سارے احکام رہ جائیں گے اور مسلمانوں تک نہیں پہنچ پائیں گے اور ان کی بعثت کا فلسفہ بھی ناقص ہوگا۔

اسی سلسلے میں اہل سنت کے ایک عالم نے اشکال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو اظہار حق کی خاطر منصوب کیا ہے تو تقیہ کیا معنی رکھتا ہے؟!

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ امامان معصومؑ نے بہترین انداز میں اپنے وظیفے پر عمل کیا ہے لیکن ہمارے مسلمان بھائیوں نے ان کے فرامین کو قبول نہیں کیا۔ [۲]

---

[۱] دکتر محمود یزدی؛ اندیشہ ہای کلامی شیخ طوسی، ص ۲۸۹۔

[۲] محمد باقر حجتی؛ تاریخ قرآن کریم، ص ۳۸۷۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے آپ ۲۵ سال خانہ نشین ہوئے تو قرآن مجید کی جمع آوری، آیات کی شأن نزول، معارف اسلامی کی توضیح اور تشریح کرنے میں مصروف ہوگئے اور ان مطالب کو اونٹوں پر لاد کر مسجد میں مسلمانوں کے درمیان لے گئے تاکہ ان معارف سے لوگ استفادہ کریں؛ لیکن خلیفہ وقت نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔

جب امام نے یہ حالت دیکھی تو خاص شاگردوں کی تربیت اور ان کو اسلامی احکامات اور دوسرے معارف کا تعلیم دیتے ہوئے اپنا شرعی وظیفہ انجام دینے لگے؛ لیکن یہ ہماری کوتاہی تھی کہ ہم نے ان کے فرامین کو پس پشت ڈالا اور اس پر عمل نہیں کیا۔

امامؑ کا تقیہ اور شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ

امام کیلئے تقیہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ معتزلہ والے کہتے ہیں کہ امام کیلئے تقیہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ امام کا قول، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی طرح حجت ہے۔

۲۔ امامیہ والے کہتے ہیں کہ اگر تقیہ کے واجب ہونے کے اسباب نہ ہو، کوئی اور مانع بھی موجود نہ ہو تو امام تقیہ کر سکتے ہیں۔

شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام تقیہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ شرائط موجود ہو۔

امامؑ کیلئے تقیہ جائز ہونے کی شرائط

☆ شرعی وظیفوں پر عمل پیرا ہونا اور احکام کی معرفت حاصل کرنا اگر فقط امام پر منحصر نہ ہو جیسے امام کا منصوص ہونا فقط امام کے قول پر منحصر نہیں ہے بلکہ قول پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عقل سلیم کے

ذریعے سے بھی مکلف جان سکتا ہے تو ایسی صورت میں امام تقیہ کر سکتے ہیں۔

☆ اس صورت میں امام تقیہ کر سکتے ہیں کہ آپ کا تقیہ کرنا حق تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ بنے۔ اور ساتھ ہی شرائط بھی پوری ہو۔

☆ جن موارد میں امام تقیہ کررہے ہیں وہاں ہمارے پاس واضح دلیل موجود ہو کہ معلوم ہو جائے کہ امام حالت تقیہ میں حکم دے رہے ہیں۔

اس بنا پر اگر احکام کی معرفت امام میں منحصر نہ ہو، یا امام کا تقیہ کرنا حق تک جانے میں رکاوٹ نہ ہو اور کوئی ایسی ٹھوس دلیل بھی نہ ہو جو امام کا تقیہ کرنے کو جائز نہیں سمجھتی ہو اور ساتھ ہی اگر معلوم ہو کہ امام حالت تقیہ میں ہو تو کوئی حرج نہیں کہ امام تقیہ کر سکتے ہیں۔ [1]

تقیہ، فرمان امامؑ پر عدم اعتماد کا باعث

شیعہ مخالف لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر ہمارے ائمہ معصومینؑ وسیع پیمانے پر تقیہ لگے تو یہ احتمال ساری روایات جو ان حضرات سے ہم تک پہنچی ہیں، میں پائی جاتی ہے کہ ہر روایت تقیہ کر کے بیان کئے ہوں۔ اس صورت میں کسی ایک روایت پر بھی ہم عمل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کوئی بھی روایت قابل اعتماد نہیں ہوسکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہمارے ائمہ معصومینؑ کا تقیہ کرنا کسی قواعد وضوابط کے بغیر ہو تو یہ اشکال وارد ہے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ تقیہ کرنے کیلئے خواہ وہ تقیہ کرنے والا امام ہو یا عوام ہو یا خواص ہو، خاص شرائط ہیں اگر وہ شرائط نہ ہو تو تقیہ کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے اور جب اماموں کے تقیہ کے علل واسباب اگر ان کو معلوم ہو جائے تو یہ اشکال بھی باقی نہیں رہے گا۔

---

[1] محمود یزدی؛ اندیشہ ہای کلامی شیخ طوسی، ص ۳۳۳۔

تقیہ اور علم امامؑ

علم امامؑ کے بارے میں شیعہ متکلمین کے درمیان دو نظریے پائے جاتے ہیں: اور یہ اختلاف بھی روایات میں اختلاف ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔

پہلا نظریہ: قدیم شیعہ متکلمین جیسے، سید مرتضی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ معتقد ہیں کہ امام تمام احکامات اور معارف اسلامی کا علم رکھتے ہیں۔لیکن مختلف حادثات اور بعض واقعات جیسے اپنی رحلت کب ہوگی؟ یا دوسروں کی موت کب واقع ہوگی؟ و۔۔۔بصورت موجبہ جزئیہ ہے نہ موجبہ کلیہ۔

دوسرا نظریہ: علم امامؑ دونوں صورتوں میں یعنی تمام احکامات دین اور اتفاقی حادثات کے بارے میں بصورت موجبہ کلیہ علم رکھتے ہیں۔ [1]

بہ ہر حال دونوں نظریہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علم امامؑ احکام اور معارف اسلامی کے بارے میں بصورت موجبہ ہے۔ وہ شبہات جو تقیہ اور علم امام سے مربوط ہے وہ بعض کے نزدیک دونوں مبنا میں ممکن ہے اور بعض کے نزدیک صرف دوسرے مبنی میں ممکن ہے۔

پہلا اشکال: تقیہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ائمہؑ تمام فقہی احکام اور اسلامی معارف کا علم نہیں رکھتے ہیں اور اس کی توجیہ کرنے اور روایات میں موجود اختلاف کو ختم کرنے کیلئے تقیہ کا سہارا لیتے ہیں۔

اس اشکال کو سلیمان ابن جریر زیدی نے مطرح کیا ہے، جو عصر ائمہؑ میں زندگی کرتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ رافضیوں کے امام نے اپنے پیروکاروں کیلئے دو عقیدہ بیان کئے ہیں۔ جس کی موجودگی میں کوئی بھی مخالف ان کے ساتھ بحث و مباحثہ میں نہیں جیت سکتا۔

---

[1] کلینی؛ اصول کافی، ج ۱، ص ۲۷۶۔

پہلا عقیدہ بداء ہے۔

دوسرا عقیدہ تقیہ ہے۔

شیعیان اپنے اماموں سے مختلف مواقع پر سوال کرتے تھے اور وہ جواب دیا کرتے تھے اور شیعہ لوگ ان روایات اور احادیث کو یاد رکھتے اور لکھتے تھے، لیکن ان کے امام، چونکہ کئی کئی مہینے یا سال گذر جاتے لیکن ان سے مسئلہ پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا؛ جس کی وجہ سے وہ پہلے دیئے ہوئے جوابات بھی بھول جاتے تھے۔ کیونکہ اپنے دیئے گئے جوابات کو یاد نہیں رکھتے تھے اس لئے ایک ہی سوال کے مختلف اور متضاد جوابات دیئے جاتے تھے۔ اور شیعہ جب اپنے اماموں پر ان اختلافات کے بارے میں اشکال کرتے تھے تو توجیہ کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ہمارے جوابات تقیۃً بیان ہوئے ہیں اور ہم جو چاہیں اور جب چاہیں جواب دے سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہمارا حق ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کیا چیز تمہارے مفاد میں ہے اور تمہاری بقا اور سالمیت کس چیز میں ہے اور تمھارے دشمن کب تم سے دست بردار ہونگے۔

سلیمان آگے بیان کرتا ہے: پس جب ایسا عقیدہ ایجاد ہو جائے تو کوئی بھی ان کے اماموں پر جھوٹے ہونے کا الزام نہیں لگا سکتا اور کبھی بھی ان کے حق اور باطل میں شناخت نہیں کر سکتا اور انہی تناقض گوئی کی وجہ سے بعض شیعیان ابوجعفر امام باقر علیہ السلام کی امامت کا انکار کرنے لگے۔ [1]

پس معلوم ہوا کہ دونوں مبنی کے مطابق شیعوں کے اماموں کے علم پر یہ اشکال وارد ہے۔

جواب: امامیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے امامان معصومؑ تمام احکام اور معارف الٰہی کے بارے میں کلی علم رکھتے ہیں اس بات پر متقن دلیل بھی بیان کیا گیا ہے لیکن ممکن ہے وہ دلائل برادران اہل سنت کیلئے قابل قبول نہ ہو۔

---

[1] نوبختی؛ فرق الشیعہ، ص ۸۵۔۸۷۔

چنانچہ شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایت کی کتاب تہذیب الاحکام کو انہی اختلافات کی وضاحت اور جواب کے طور پر لکھی ہے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ یہ دو شیعہ دانشمند کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ شیعوں کے امام تقیہ نہیں کرتے تھے بلکہ تقیہ کرنے کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتے تھے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ائمہ ؑ تقیہ نہیں کرتے تھے بلکہ صرف امر بالمعروف کیا کرتے تھے کیونکہ اامامان تمام واقعیات سے باخبر تھے: اذا شاؤاان یعلمو اعلموا۔ کے مالک تھے ہمارے لئے تو تقیہ کرنا صدق آتا ہے لیکن ائمہ کیلئے صدق نہیں آتا کیونکہ وہ لوگ تمام عالم اسرار سے واقف ہیں۔

علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ائمہ ؑ تقیہ نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ عالم تھے اور تمام اوقات اور وفات کی کیفیت اور نوعیت سے باخبر تھے۔ اس لئے صرف ہمیں تقیہ کا حکم دیتے تھے۔ [1]

اس شبہہ کا جواب

اولاً: علم امام کے دوسرے مبنا پر یہ اشکال ہے نہ پہلے مبنا پر، کیونکہ ممکن ہے جو پہلے مبنا کا قائل ہے وہ کہے امام اپنی موت اور مرنے کے وقت اور کیفیت سے آگاہ نہیں تھے، اس لئے جان کے خوف سے تقیہ کرتے تھے۔

ثانیاً: امام کا تقیہ کرنا اپنی جان کے خوف سے نہیں بلکہ ممکن ہے اپنے اصحاب اور چاہنے والوں کی جان کے خوف سے ہوں؛ یا اہل سنت کے ساتھ مدارات اور اتحاد کے خاطر تقیہ کئے ہوں۔ دوسرے لفظوں میں اگر کہیں کہ تقیہ کبھی بھی جان یا مال کے خوف کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

ثالثاً: جو لوگ دوسرے مبنا کے قائل ہیں ممکن ہے کہہ دیں کہ امام اپنی موت کے وقت اور کیفیت کا علم رکھتے تھے اور ساتھ ہی جان کا خوف بھی کھاتے اور تقیہ کے ذریعے اپنی جان بچانا

---

[1] مجلہ نور علم، ش ۵۰، ۵۱، ص ۲۵۴۔

چاہتے تھے۔

ان دو شیعہ عالم دین پر جو اشکال وارد ہے یہ ہے، کہ اگر آپ ائمہ کے تقیہ کا انکار کرتے ہیں تو ان تمام روایتوں کا کیا جواب دیں گے کہ جن میں خود ائمہ طاہرینؑ تقیہ کے بہت سے فضائل بیان فرماتے ہیں اوران روایتوں کا کیا کروگے جو امام کے تقیہ کرنے کو ثابت کرتی ہیں؟!

تقیہ اور عصمت

احکام اسلام کی تبلیغ اور ترویج میں ایک عام دین دار شخص سے بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی بات کو خدا اور رسول کی طرف نسبت دے دے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ امام تقیہ کرتے ہوئے ایک ناحق بات کو خدا کی طرف نسبت دے؟! یہ حقیقت میں امام کے دین اور عصمت پر لعن کرنے کے مترادف ہے!۔ [1]

جواب یہ ہے کہ اگر ہم تقیہ کی مشروعیت کو آیات کے ذریعے ثابت مانتے ہیں چنانچہ اہل سنت بھی اسے مانتے ہیں، کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تقیہ کو حکم کلی قرار دیا ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ امامؑ نے بہ عنوان حکم اولی اس بات کو خدا کی طرف نسبت دی ہے؛ لیکن بعنوان حکم ثانوی کسی بات کو خدا کی طرف نسبت دینے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ جیسے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مجبور شخص کیلئے مردار کھانے کو بحکم ثانوی، جائز قرار دیا ہے۔

ثانیاً: شیعہ اپنے اماموں کو صرف راوی کی حیثیت سے قبول نہیں کرتے بلکہ انہیں خود شارعین میں سے مانتے ہیں۔ جو اپنے صلاح دید کے مطابق حکم جاری کرتے ہیں۔

---

[1] محسن امین، عاملی؛ نقض الوشیعہ، ص ۱۷۹۔

بجائے تقیہ؛ خاموشی کیوں اختیار نہیں کرتے؟

اشکال:

تقیہ کے موقع پر امام بطور تقیہ جواب دینے کے بجائے خاموشی کیوں اختیار نہیں کرتے؟!

جواب:

اولا: امام معصومؑ نے بعض موارد میں سکوت بھی اختیار کئے ہیں اور کبھی طفرہ بھی کئے ہیں اور کبھی سوال اور جواب کو جابجا بھی کئے ہیں۔

ثانیا: سکوت خود تعریف تقیہ کے مطابق ایک قسم کا تقیہ ہے کہ جسے تقیہ کتمانیہ کہا گیا ہے۔

ثالثا: کبھی ممکن ہے کہ خاموش رہنا، زیادہ مسئلہ کو خراب کرے۔ جیسے اگر سوال کرنے والا حکومت کا جاسوس ہو تو اس کو گمراہ کرنے کیلئے تقیۃً جواب دینا ہی زیادہ فائدہ مند ہے۔ [۱]

رابعا: کبھی امام کے تقیہ کرنے کے علل اور اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے واقعیت کے خلاف اظہار کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ جیسے اپنے چاہنے والوں کی جان بچانے کے خاطر اپنے عزیز کو دشمنوں کے درمیان چھوڑنا اور یہ صرف اور صرف واقعیت کے خلاف اظہار کرکے ہی ممکن ہے اور کبھی دوستوں کی جان بچانے کیلئے اہل سنت کے فتوی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ چنانچہ امام موسی کاظمؑ نے علی ابن یقطین کو اہل سنت کے طریقے سے وضو کرنے کا حکم دیا گیا۔ [۲]

---

[۱] فخر رازی؛ محصل افکار المتقد مین من الفلسفہ والمتکلمین، ص ۱۸۲۔

[۲] ہمان، ص ۱۹۳۔

تقیہ کے بجائے توریہ کیوں نہیں کرتے؟!

شبهه:

امامؑ موارد تقیہ میں توریہ کر سکتے ہیں، تو توریہ کیوں نہیں کرتے؟ تا کہ جھوٹ بولنے میں مرتکب نہ ہو۔[۱]

شبهه کا جواب:

اولاً: تقیہ کے موارد میں توریہ کرنا خود ایک قسم کا تقیہ ہے۔

ثانیاً: ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر امام کیلئے ہر جگہ توریہ کرنے کا امکان ہوتا تو ایسا ضرور کرتے۔

ثالثاً: بعض جگہوں پر امام کیلئے توریہ کرنا ممکن نہیں ہوتا اور اظہار خلاف پر ناچار ہوجاتے ہیں۔

تقیہ اور دین کا دفاع

شبهه:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نیک بندوں کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری، اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کرنا ہے۔ اگرچہ اس راہ میں قسم قسم کی اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کرنا پڑے اور اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالخصوص ان ذمہ داری کو نبھانے کیلئے زیادہ حقدار ہیں۔[۲]

---

[۱] وسائل شیعہ، ج۱، ص ۲۱۳۔

[۲] ابوالقاسم، آلوسی؛ روح المعانی، ج۳، ص ۱۴۴۔

جواب:

ائمہ طاہرینؑ نے جب بھی اصل دین کیلئے کوئی خطر محسوس کیا اور اپنے تقیہ کرنے کو اسلام پر کوئی مشکل وقت آنے کا سبب پایا تو تقیہ کو ترک کرتے ہوئے دین کی حفاظت کرنے میں مصروف ہو گئے اور اس راہ میں اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔جس کا بہترین نمونہ سالار شہیدان اباعبداللہؑ کا دین مبین اسلام کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جان کے علوہ اپنے عزیزوں کی جانوں کا بھی نذرانہ دینے سے دریغ نہیں کیا۔

لیکن کبھی ان کا تقیہ نہ کرنا اسلام پر ضرر پہنچنے ،مسلمانوں کا گروہوں میں بٹنے ،اسلام دشمن طاقتوں کے کامیاب ہونے کا سبب بنتا تو ؛ وہ لوگ ضرور تقیہ کرتے تھے۔۔ چنانچہ اگر علیؑ رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تقیہ نہ کرتے اور مسلحانہ جنگ کرنے پر اتر آتے تو اصل اسلام خطرے میں پڑ جاتا اور جو بھی ابھی مسلمان ہو چکے تھے،دوبارہ کفر کی طرف پلٹ جاتے۔کیونکہ امام کو اگرچہ ظاہری فتح حاصل ہو جاتی ؛لیکن لوگ کہتے کہ انہوں نے پیغمبر کے جانے کے بعد ان کی امت پر مسلحانہ حملہ کر کے لوگوں کو اسلام سے متنفر کیا۔

پس معلوم ہوا کہ ائمہ طاہرینؑ کا تقیہ کرنا ضرور بہ ضرور اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر تھا۔

تقیہ"سلونی قبل ان تفقدونی" کے منافی

امام علیؑ فرماتے ہیں: مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ میں تمھارے درمیان سے اٹھ جاؤں ،اور تم مجھے پا نہ سکو۔

اس روایت میں سوال کرنے کا حکم فرما رہے ہیں،جس کا لازمہ یہ ہے کہ جو کچھ آپ بطور جواب فرمائیں گے،اسے قبول کرنا ہم پر واجب ہوگا؛ اور امام کا تقیہ کرنے کا لازمہ یہ ہے کہ بعض سوال کا امام جواب نہیں دیں گے۔

جواب: یہ کلام امیر المومنینؑ نے اس وقت فرمایا، کہ جب آپ برسر حکومت تھے؛ جس وقت تقیہ کے سارے علل و اسباب مفقود تھے۔ یعنی تقیہ کرنے کی ضرورت نہ تھی اور جو بھی سوال آپ سے کیا جاتا، اس کا جواب تقیہ کے بغیر کاملاً دیئے جاسکتے تھے۔ البتہ اس سنہرے موقع سے لوگوں نے استفادہ نہیں کیا۔

لیکن ہمارے دیگر ائمہ طاہرینؑ کو اتنی کم مدت کا بھی موقع نہیں ملا۔ یہی وجہ ہے کہ بقیہ اماموں سے ایسا جملہ صادر نہیں ہوا۔ اگرچہ شیعہ اور سنی سوال کرنے والوں کو احکام بیان کرنے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی۔

امام سجادؑ سے روایت ہے کہ ہم پر لازم نہیں ہے کہ ہمارے شیعوں کے ہر سوال کا جواب دیدیں۔ اگر ہم چاہیں تو جواب دیں گے، اور اگر نہ چاہیں تو گریز کریں گے۔[۱]

تقیہ اور شجاعت اس شبہہ کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے سارے امام انسانیت کے اعلاترین کمال اور فضائل کے مرتبے پر فائز ہیں۔ یعنی ہر کمال اور صفات بطور اتم ان میں پائے جاتے ہیں اور شجاعت بھی کمالات انسانی میں سے ایک ہے۔

لیکن تقیہ اور واقعیت کے خلاف اظہار کرنا بہت سارے مواقع پر جانی خوف کی وجہ سے ہے۔

اس کے علوہ اس سخن کا مضمون یہ ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے رہنما اور امام بھیجے ہیں، جو اپنی جان کی خوف کی وجہ سے پوری زندگی حالت تقیہ میں گذاری۔[۲]

جواب: اولاً شجاعت اور تہور میں فرق ہے۔ شجاعت حد اعتدال اور درمیانی راہ ہے لیکن تہور افراط اور بزدلی، تفریط ہے اور شجاعت کا یہ معنی نہیں کہ بغیر کسی حساب کتاب کے اپنے کو خطرے میں ڈالدے۔ بلکہ جب بھی کوئی زیادہ اہم مصلحت خطرے میں ہو تو اسے بچانے کی

---

[۱] وسائل الشیعہ، ج۱۸، ص ۴۳۔

[۲] کمال جوادی؛ ایرادات وشبہات علیہ شیعیان در ہند و پاکستان۔

کوشش کرتے ہیں۔

ثانیاً: ہمارے لئے یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ تقیہ کے سارے موارد میں خوف اور ترس ہی علت تامہ ہو، بلکہ اور بھی علل واسباب پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے تقیہ کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ جیسے اپنے ماننے والوں کی جان بچانے کے خاطر، کبھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ محبت اور مودت ایجاد کرنے کے خاطر تقیہ کرتے ہیں۔ جن کا ترس اور خوف سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔

ثالثاً: امام کا خوف اپنی جان کی خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ دین مقدس اسلام کے مصالح اور مفاد کے مدنظر امام خائف ہیں، کہ ایسا نہ ہو، دین کی مصلحتوں کو کوئی ٹھیس پہنچے۔ جیسا کہ امام حسینؑ نے ایسا ہی کیا۔

اب اس اشکال یا بہتان کا جواب کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنی آخری عمر تک تقیہ کیا ہے؛ یہ ہے:

اولاً: یہ بالکل بیہودہ بات ہے اور تاریخ کے حقائق سے بہت دور ہے۔ کیونکہ ہم ائمہ طاہرینؑ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ بہت سارے موارد میں انہوں نے ظالم و جابر حکمرانوں کے ساتھ بہادرانہ طور پر جنگ و جہاد کئے ہیں۔ چنانچہ امام موسی کاظمؑ نے اس وقت، کہ جب ہارون نے چاہا کہ باغ فدک آپ کو واپس کریں، ہارون الرشید کے کارندوں کے سامنے برملا عباسی حکومت کے نامشروع اور ناجائز ہونے کا اعلان فرمایا، اور مملکت اسلامی کے حدود کو مشخص کیا۔

ثانیاً: ہدایت بشری صرف معارف اسلامی کا برملا بیان کرنے پر منحصر نہیں ہے، بلکہ بعض اہم اور مؤثر افراد تک اپنی بات کو منتقل کرنا بھی کافی اور باعث بنتا تھا کہ سارے لوگوں تک آپ کا پیغام پہنچ جائیں۔

تقیہ اور تحلیل حرام وتحریم حلال

شبہہ یہ ہے کہ اگر اس بات کو قبول کرلے کہ امام بعض فقہی مسائل کا جواب بطور تقیہ دیں گے تو مسلماً ایسے موارد میں حکم واقعی (حرمت) کے بجائے (حلیت) کا حکم لگے گا اور یہ سبب بنے گا شریعت میں تحلیل حرام اور تحریم حلال کا، یعنی حرام حلال میں بدل جائے گا اور حلال حرام میں۔۔۔[1]

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک تقیہ سے مراد؛ اضطراری حالات میں بعنوان حکم ثانوی، آیات اور روایات معصومؑ کی پیروی کرنا ہے۔

تقیہ کا حکم بھی دوسرے احکام جیسے اضطرار، اکراہ، رفع ضرر اور حرج کی طرح ہے، کہ ایک معین وقت کیلئے حکم اولی کو تعطیل کرکے اس کی جگہ تقیہ والا حکم لگایا جاتا ہے اور ان جیسے احکام ثانوی فقہ اہلسنت میں بھی ہر جگہ موجود ہے۔

تقیہ ایک حکم اختصاصی ہے یا عمومی؟ اس حصے میں درج ذیل مسائل کی بررسی کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ قانون تقیہ پر اعتقاد رکھنا کیا صرف شیعہ امامیہ کے ساتھ مختص ہے یا دوسرے مکاتب فکر بھی اس کے قائل ہیں؟ اور اسے ایک الٰہی قانون کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں؟!

۲۔ کیا تقیہ کوئی ایسا حکم ہے جو ہر جگہ اور ہر حال میں جائز ہے یا اس کے لئے بھی خاص زمان یا مکان اور دیگر اسباب کا خیال رکھنا واجب ہے؟

۳۔ کیا حکم تقیہ، متعلّق کے اعتبار سے عام ہے یا نہیں؟ بطوری کہ سارے لوگ ایک

---

[1] احسان الٰہی ظہیر؛ السنۃ والشیعہ، ص۱۳۶۔

خاص شرائط میں اس پر عمل کر سکتے ہیں؟ یا بعض لوگ بطور استثنا ہر عام و خاص شرائط کے بغیر بھی تقیہ کر سکتے ہیں؟ جیسے: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و امامؑ؟

جواب: دو احتمال ہیں:

۱......تقیہ یک حکم ثانوی عام ہے کہ سارے لوگ جس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

۲......پیغمبران تقیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ عقلی طور پر مانع موجود ہے۔ شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر مسلمانوں نے دوسرے احتمال کو قبول کئے ہیں۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تقیہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی شناخت اور علم اور رسائی صرف اور صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے۔

اور صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے فرامین کے ذریعے شریعت کی شناخت اور علم ممکن ہے۔ پس جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تقیہ جائز ہو جائے تو ہمیں کوئی اور راستہ باقی نہیں رہتا جس کے ذریعے اپنی تکلیف اور شرعی وظیفہ کو پہچان لیں اور اس پر عمل کریں۔[1]

اسی لئے فرماتے ہیں:

فلا یجوز علی الانبیاء قبائح ولا التقیۃ فی اخبارھم لانّہ یؤدی الی التشکیک.[2]

یعنی انبیا کیلئے نہ عمل قبیح جائز ہے اور نہ اپنی احادیث بیان کرنے میں تقیہ جائز ہے۔ کیونکہ تقیہ آپ کے فرامین میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کا باعث بنتا ہے اور جب کہ ہم پر لازم ہے کہ ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات کی تصدیق کریں اور اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال، شرعی وظیفے کو ہمارے لئے بیان نہ کرے اور ہمیں حالت شک میں ڈال دے؛ تو یہ ارسال رسل کی حکمت کے خلاف ہے۔ پس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جائز نہیں کہ تقیہ کی وجہ سے ہماری تکالیف کو بیان نہ کرے۔

---

[1] محمود یزدی؛ اندیشہ ہای کلامی شیخ طوسی، ص ۳۲۸۔

[2] التبیان، ج ۷، ص ۲۵۹۔

شیخ طوسیؒ پر اشکال: اگر ہم اس بات کے قائل ہوجائیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تقیہ جائزنہیں ہے تو حضرت ابراہیمؑ کا نمرود کے سامنے بتائی گئی ساری باتوں کیلئے کیا تاویل کریں گے کہ بتوں کو آنحضرت ہی نے توڑ کر بڑے بت کی طرف نسبت دی؟! اگر اس نسبت دینے کو تقیہ نہ مانے تو کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟!

شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب: آپ نے دو توجیہ کئے ہیں:

۱۔ بل فعلہ کو »ان کانوا ینطقون« کے ساتھ مقید کئے ہیں۔ یعنی اگر یہ بت بات کرتا ہے تو ان بتوں کو توڑنے والا سب سے بڑا بت ہے۔ جب کہ معلوم ہے کہ بت بات نہیں کرسکتا۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ نمرود کے چیلوں کو یہ بتادے کہ اگر تم لوگ ایسا عقیدہ رکھتے ہو تو یہ حالت ہوگی۔ پس آپ کا یہ فرمانا: »بل فعلہ کبیرھم« الزام کے سوا کچھ نہیں اور »انی سقیم« سے مراد یہ کہ تمہارے گمراہ ہونے کی وجہ سے روحی طور سخت پریشانی میں مبتلا ہوں۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ کا: »انّکم لسارقون« کہنا بھی تقیہ ہی تھا، ورنہ جھوٹ قاموس نبوت سے دور ہے۔[1]

تمام انبیاء الٰہی کے فرامین میں توریہ شامل ہے اور توریہ ہونا کوئی مشکل کا سبب نہیں بنتا اور توریہ بھی ایک قسم کا تقیہ ہے۔ ثانیاً انبیاء الٰہی کے فرامین احکام شرعی بیان کرنے کے مقام میں نہیں ہے۔

کیوں کسی نے تقیہ کیا اور کسی نے نہیں کیا؟!

یہ سوال ہمیشہ سے لوگوں کے ذہنوں میں ابھرتا رہتا ہے کہ کیوں بعض ائمہ اور ان کے

---

[1] ہمان، ص ۲۶۰۔

چاہنے والوں نے تقیہ کیا اور خاموش رہے؟! لیکن بعض ائمہ نے تقیہ کو سرے سے مٹا دیئے اور اپنی جان تک کی بازی لگائی؟!

اور وہ لوگ جو مجاہدین اسلام کی تاریخ، خصوصاً معاویہ کی ذلت بار حکومت کے دور کا مطالعہ کرتے تو ان کو معلوم ہوتا، کہ تاریخ بشریت کا سب سے بڑا شجاع انسان یعنی امیر المؤمنینؑ کا چہرہ مبارک نقاب پوش ہوکر رہ گیا۔ جب یہ ساری باتیں سامنے آتی ہیں تو یہ سوال ذہنوں میں اٹھتا ہے کہ کیوں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علیؑ کے باوفا دوستوں کے دو چہرے کاملاً ایک دوسرے سے مختلف نظر آتا ہے:

ایک گروہ: جو اپنے زمانے کے ظالم وجابر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کران کا مقابلہ کرنے پر اتر آتے ہیں؛ جیسے میثم تمار، حجر بن عدی، عبداللہ و۔۔۔اسی طرح باقی ائمہ کے بعض چاہنے والوں نے دشمن اور حاکم وقت کے قید خانوں میں اپنی زندگیاں رنج وآلام میں گذارتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کئے اور وحشتناک جلادوں کا خوف نہیں کھائے، اور عوام کو فریب دینے والے مکار اور جبار حاکموں کا نقاب اتار کران کا اصلی چہرہ لوگوں کے سامنے واضح کردیئے۔

اور دوسرا گروہ: باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ماننے والوں اور دوستوں میں بہت سارے، جیسے علی ابن یقطین بڑی احتیاط کے ساتھ ہارون الرشید کے وزیر اور مشیر بن کر رہے!

جواب: اس اشکال کا جواب امامیہ مجتہدین اور فقہا دے چکے ہیں: کہ کبھی تقیہ کو ترک کرتے ہوئے واضح طور پر مافی الضمیر کو بیان کرنا اور اپنی جان کا نذرانہ دینا واجب عینی ہوجاتا ہے؛ اور کبھی تقیہ کو ترک کرنا مستحب ہوجاتا ہے اور اس دوسری صورت میں تقیہ کرنے والے نے نہ کوئی خلاف کام کیا ہے، نہ ان کے مدمقابل والے نے تقیہ کو پس پشت ڈال کر فداکاری اور جان نثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جام شہادت نوش کر کے کوئی خلاف کام کیا ہے

اسی دلیل کی بنا پر میثم تمار، حجر بن عدی اور رشید ہجری جیسے عظیم اور شجاع لوگوں کو

ہمارے اماموں نے بہت سراہا ہے، اور اسلام میں ان کا بہت بڑا مقام ہے۔

ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے، جنہوں نے اپنے حقوق سے ہاتھ اٹھائے ہیں اور معاشرے میں موجود غریب اور نادار اور محروم لوگوں کی حمایت کرتے ہوئے ان پر خرچ کیا ہو، اور خود کو محروم کیا ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی یہ فدا کاری اور محرومیت کو قبول کرنا؛ سوائے بعض موارد میں، واجب تو نہیں تھا۔ کیونکہ جو چیز واجب ہے وہ عدالت ہے نہ ایثار۔ لیکن ان کا یہ کام اسلام اور اہل اسلام کی نگاہ میں بہت قیمتی اور محترم کام شمار ہوتا ہے اور یہ احسان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ احسان کرنے والا عواطف انسانی کی آخرین منزل کو طے کر چکا ہے۔ جو دوسروں کو آرام و راحت میں دیکھنے کیلئے اپنے کو محروم کرنے کو اختیار کرے۔

پس تقیہ کو ترک کرتے ہوئے اپنی جانوں کو دوسرے مسلمانوں اور مؤمنوں کا آرام اور راحت کے خاطر فدا کرنا بھی ایسا ہی ہے اور یہ اس وقت تک ممکن ہے، جب تک تقیہ کرنا وجوب کی حد تک نہ پہنچا ہو اور یہ پہلا راستہ ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ لوگ موقعیت اور محیط کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اگر پست محیط میں زندگی کر رہے ہوں، جیسے معاویہ کی حکومت کا دور ہے؛ اس کی سوء تبلیغ اور اس کے ریزہ خواروں اور مزدوروں اور بعض دین فروشوں کی جھوٹی تبلیغات کی وجہ سے اسلام کے حقائق اور معارف معاشرے میں سے بالکل محو ہو چکا تھا اور لوگ اسلامی اصولوں سے بالکل بے خبر تھے اور امیر المومنین؈ کا انسان ساز مکتب بھی اپنی تمام تر خصوصیات کے باوجود، سنسر کر دیئے گئے، اور پردہ سکوت کے پیچھے چلا گیا اور اس ظلمانی پردے کو چاک کر کے اسلامی معاشرے کو تشکیل دینے کیلئے عظیم قربانی کی ضرورت تھی۔ ایسے مواقع پر افشا گری ضروری تھا، اگر چہ جان بھی دینا کیوں نہ پڑے۔

حجر بن عدی اور ان کے دوستوں کے بارے میں کہ جنہوں نے معاویہ کے دور میں مہر

سکوت کوتوڑ کر علیؑ کی محبت کا اظہار کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمائی؛ اوران کی طوفانی شہادت اورشہامت اس قدر مؤثر تھا کہ پورے مکہ اور مدینہ کے علوہ عراق میں بھی لوگوں میں انقلاب بر پا کیا؛ جسے معاویہ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

امام حسینؑ نے ایک پروگرام میں، معاویہ کے غیر اسلامی کردار کولوگوں پر واضح کرتے ہوئے یوں بیان فرمایا:

الست قاتل حجر بن عدی اخا کندہ؛ والمصلین العابدین الذین کانوا ینکرون الظلم و یستعظمون البدع و لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم!

اے معاویہ! کیا تو وہی شخص نہیں، جس نے قبیلہ کندہ کے عظیم انسان (حجر بن عدی) کو نمازگزاروں کے ایک گروہ کے ساتھ بے دردی سے شہید کیا؟ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ ظلم اور ستم کے خلاف مبارزہ کرتے اور بدعتوں اور خلاف شرع کاموں سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے، اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کا کوئی پروانہیں کرتے تھے؟!۔[۱]

وہ شبہات اور تہمتیں جوشیعوں کے تقیہ سے مربوط ہیں:

تقیہ شیعوں کی بدعت

شبہہ پیدا کرنے والے کا کہنا ہے کہ: تقیہ شیعوں کی بدعت ہے جو اپنے فاسد عقیدے کو چھپانے کے خاطر کرتے ہیں۔[۲]

اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ اس نے بدعت کے معنی میں اشتبہ کیا ہے۔ جب کہ مفردات راغب نے بدعت کی تعریف کرتے ہوئے کہاہے:

---

[۱] مکارم شیرازی؛ تقیہ مبارزہ عمیقتر، ص ۱۰۷۔

[۲] فہرست ایرادات وشبہات علیہ شیعیان درہندو پاکستان، ص ۳۶۔

البدعة هی ادخال ما لیس من الدین فی الدین.[1]

بدعت سے مراد یہ ہے کہ جو چیز دین میں نہیں، اسے دین میں داخل کرے اور گذشتہ مباحث سے معلوم ہوا کہ تقیہ دین کی ضروریات میں سے ہے۔ کیونکہ قرآن اور احادیث ائمہؑ میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ تقیہ کو اہل تشیع اور اہل سنت دونوں مانتے ہیں اور اس کے شرعی ہونے کو بھی مانتے ہیں۔

لذا، تقیہ نہ بدعت ہے اور نہ شیعوں کا اختراع، کہ جس کے ذریعے اپنا عقیدہ چھپائے، بلکہ یہ اللہ اور رسول کا حکم ہے۔

گذشتہ مباحث سے معلوم ہوا کہ تقیہ دین کا حصہ ہے کیونکہ وہ آیات جن کو شیعہ حضرات اسلام کا بپا کنندہ جانتے ہیں، ان کی مشروعیت کو ثابت کر چکے ہیں اور اہل سنت نے بھی ان کی مشروع ہونے کا فی الجملہ اعتراف کیا ہے۔ اس بنا پر، نہ تقیہ بدعت ہے اور نہ شیعوں کا اپنا عقیدہ چھپانے کیلئے اختراع ہے۔

تقیہ، مکتب تشیع کا اصول دین؟!

بعض لوگوں کا اپنے مخالفین کے خلاف مہم چلانے اور ان کو ہرانے کیلئے جو خطرناک اور وحشتناک راستہ اختیار کرتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو متہم کرنا ہے اور ایسی تہمتیں لگاتے ہیں، جن سے وہ لوگ مبریٰ ہیں۔ اگرچہ عیوب کا ذکر کرنا معیوب نہیں ہے۔

ان لوگوں میں سے ایک ابن تیمیہ ہے؛ جو کہتا ہے کہ شیعہ تقیہ کو اصول دین میں سے شمار کرتے ہیں۔ جبکہ کسی ایک شیعہ بچے سے بھی پوچھ لے تو وہ بتائے گا: اصول دین پانچ ہیں: اول: توحید۔ دوم: عدل سوم: نبوت چہارم: امامت پنجم: معاد۔ لیکن وہ اپنی کتاب

---

[1] راغب اصفہانی؛ مفردات، بدع۔

منہاج السنہ میں لکھتا ہے: رافضی لوگ اسے اپنے اصول دین میں شمار کرتے ہیں۔ایسی باتیں یا تہمتیں لگانے کی دو ہی وجہ ہوسکتی ہیں:

۱۔ یا وہ شیعہ عقائد سے بالکل بے خبر ہے؛ کہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ مذہب تشیع کا اتنا آسان مسئلہ؛ جسے سات سالہ بچہ بھی جانتا ہو، ابن تیمیہ اس سے بے خبر ہو۔ کیونکہ ہمارے ہاں کوئی چھٹا اصل بنام تقیہ موجود نہیں ہے۔

۲۔ یا ابن تیمیہ اپنی ہوا وہوس کا اسیر ہوکر شیعوں کو متہم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس طریقے سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرے اور اسلام اور مسلمین کی قوت اور شان وشکوکت کو متزلزل کرے۔

اس قسم کی بیہودہ باتیں ایسے لوگوں کی دل خوشی کا سبب بن سکتے ہیں، جو کسی بھی راستے سے شیعیان علی ابن ابی طالبؑ کی شان شوکت کو دنیا والوں کے سامنے گھٹائے اور لوگون کو مکتب حقہ سے دور رکھے۔ [1]

جب کہ خود اہل سنت بھی تقیہ کے قائل ہیں اور ان کے علماء کا اتفاق اور اجماع بھی ہے، کہ تقیہ ضرورت کے وقت جائز ہے۔ چنانچہ ابن منذر لکھتا ہے:

اجمعوا علی من اکرہ علی الکفر حتی خشی علی نفسہ القتل فکفر و قلبہ مطمئن بالایمان انہ لا یحکم علیہ بالکفر۔ [2]

اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی کفر کے اظہار کرنے پر مجبور ہو جائے ، اور جان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ضرور اظہار کفر کرے۔ جبکہ اس کا دل ایمان سے پر ہو، تو اس پر کفر کا فتوا نہیں لگ سکتا۔ یا وہ کفر کے زمرے میں داخل نہیں ہوسکتا۔

ابن بطال کہتا ہے:

---

[1] عباس موسوی؛ پاسخ وشبہاتی پیرامون مکتب تشیع ،ص ۱۰۲۔

[2] دکتر ناصر بن عبداللہ؛ اصول مذہب شیعہ، ج ۲،ص ۸۰۷۔

واجمعوا علی من اکرہ علی الکفر واختار القتل انه اعظم اجرا عند اللہ!

یعنی علماء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان کفر پر مجبور ہو جائے، لیکن جان دینے کو ترجیح دے دے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا اجر اور ثواب ہے۔

خود اہل سنت تقیہ کے جائز ہونے کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن جس معنیٰ میں شیعہ قائل ہیں، اسے نہیں مانتے۔ یعنی ان کے نزدیک تقیہ، رخصت یا اجازت ہے، لیکن شیعوں کے نزدیک، ارکان دین میں سے ایک رکن ہے۔ جیسے نماز اور بعد میں امام صادق علیہ السلام کی روایت کو نقل کرتے ہیں، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہے۔

قال الصادق علیہ السلام: لو قلت له تارك التقیه کتارك الصلوۃ۔

اس کے بعد کہتے ہیں کہ شیعہ صرف اس بات پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں:

لا دین لمن لا تقیة له۔ [1]

تقیہ، زوال دین کا موجب؟! کہا جاتا ہے کہ تقیہ زوال دین اور احکام کی نابودی کا موجب بنتا ہے۔ لہٰذا تقیہ پر عمل نہیں کرنا چاہئے اور اس کو جائز نہیں سمجھنا چاہئے۔

جواب: تقیہ، احکام پنجگانہ میں تقسیم کیا گیا ہے: یعنی: واجب، حرام، مستحب، مکروہ، مباح۔

حرام تقیہ، دین میں فساد اور ارکان اسلام کے متزلزل ہونے کا سبب بنتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر جو بھی اسلام کی نگاہ میں جان، مال، عزت، ناموس وغیرہ کی حفاظت سے زیادہ مہم ہو تو وہاں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے اور شارع اقدس نے بھی یہی حکم دیا ہے۔ کیونکہ عقل حکم لگاتی ہے کہ جب بھی کوئی اہم اور مہم کے درمیان تعارض ہو جائے تو اہم کو مقدم رکھا جائے، اور اگر تقیہ بھی موجب فساد یا ارکان اسلام میں متزلزل ہونے کا سبب بنتا ہے تو وہاں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے۔

---

[1] دکتر ناصر بن عبداللہ؛ اصول مذہب شیعہ، ج ۲، ص ۸۰۷۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام سے کئی روایات ہم تک پہنچی ہے کہ جو اس بات کی تائید کرتی ہیں ؛ اور بتاتی ہیں کہ بعض اوقات تقیہ کرنا حرام ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

...... فكل شيئ يعمل المؤمن بينهم لمكان التقية مما لا يؤدی الی الفساد فی الدین فانّه جائز. [1]

امام نے فرمایا: ہر وہ کام جو مؤمن تقیہ کے طور پر انجام دیتے ہیں ؛اور دین کیلئے کوئی ضرر یا نقصان بھی نہ ہو، اور کوئی فساد کا باعث بھی نہ ہو؛ تو جائز ہے۔

امام صادق علیہ السلام کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ بطور مطلق حرام نہیں ہے بلکہ وہ تقیہ حرام ہے جو زوال دین کا سبب بنتا ہو۔

لیکن وہ تقیہ واجب یا مباح یا مستحب ہے جو زوال دین کا سبب نہیں بنتا۔ اس کا مکتب تشیع قائل ہے۔

امامؑ کی پیروی اور تقیہ کے درمیان تناقض

اس شبہہ کو یوں بیان کیا ہے کہ شیعہ ائمہؑ کی پیروی کرنے کا ادعا کرتے ہیں جبکہ ائمہ طاہرینؑ نے تقیہ کرنا چھوڑ دیئے ہیں ؛ جس کا نمونہ علیؑ نے ابوبکر کی بیعت کی ، اور امام حسینؑ نے یزید کے خلاف جہاد کیا۔ [2]

اس شبہہ کا جواب : اولاً : شیعہ نظریے کے مطابق تقیہ ایسے احکام میں سے نہیں کہ ہر حالت میں جائز ہو، بلکہ اسے انجام دینے کیلئے تقیہ اور حق کا اظہار کرنے کے درمیان مصلحت سنجی

---

[1] وسائل الشیعہ ، ج۶ ، باب ۲۵ ،ص ۴۶۹۔

[2] موسی موسوی؛ الشیعہ والتصحیح ،ص ۶۹۔

کرنا ضروری ہے کہ تقیہ کرنے میں زیادہ مصلحت ہے یا تقیہ کو ترک کرنے میں زیادہ مصلحت ہے؟ ائمہ طاہرینؑ بھی مصلحت سنجی کرتے اور عمل کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر کی دونوں مثالوں میں تقیہ کو ترک کرنے میں زیادہ مصلحت پائی جاتی ہے لہٰذا دونوں اماموں نے تقیہ کو ترک کیا۔ اگر امام حسینؑ تقیہ کرتے تو اپنے جدامجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین نہیں بچتا۔

ثانیا: شیعہ سارے اماموں کی پیروی کرنے کو واجب سمجھتے ہیں اور ہمارے سارے ائمہ نے بعض جگہوں پر تقیہ کئے ہیں اور بعض جگہوں پر تقیہ کو ترک کئے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بالا تر کہ بعض مقامات پر تقیہ کرنے کا حکم دیئے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی زندگی میں کتنی سخت دشواریاں پیش آتی تھیں۔

ثالثاً: تقیہ کے بہت سے موارد، جہاں خود ائمہؑ نے تقیہ کرنے کو مشروع قرار دیئے ہیں، جن کا تذکرہ گذر چکا۔

رابعاً: شبہہ پیدا کرنے والا خود اعتراف کر رہا ہے کہ حضرت علیؑ نے فقط چھ ماہ بیعت کرنے سے انکار کیا پھر بعد میں بیعت کرلی۔ یہ خود دلیل ہے سیرہ حضرت علیؑ میں بھی تقیہ ہے۔

فتوائے تقیہ امامؑ کی تشخیص

اس کے بعد کہ قائل ہوگئے کہ ائمہؑ بھی تقیہ کرتے تھے؛ درج ذیل سوالات، اس مطلب کی ضمن میں کہ اگر امام حالت تقیہ میں کوئی فتوا دیدے، تو کیسے پہچانیں گے کہ تقیہ کی حالت میں فتوا دے رہے ہیں یا عام حالت میں؟!

جواب: اس کی پہچان تین طریقوں سے ممکن ہے:

۱۔ امام کا فتوی ایسے دلیل کے ساتھ بیان ہو جو حالت تقیہ پر دلالت کرتی ہو۔

۲۔ فتوی دینے سے پہلے کوئی قرینہ موجود ہو، جو اس بات پر دلالت کرے کہ حالت

تقیہ میں امام نے فتوی دیا ہے۔

۳۔امامؑ قرینہ اور دلیل کو فتوی صادر کرنے کے بعد، بیان کرے کہ حالت تقیہ میں مجھ سے یہ فتوی صادر ہوا ہے۔

تقیہ اور شیعوں کا اضطراب!

تقیہ یعنی جبن واضطراب کا دوسرا نام ہے، اور شجاعت اور بہادری کے خلاف ہے۔ جس کی وجہ سے اپنے قول وفعل میں، اور ظاہر و باطن میں اختلاف کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ صفت، رزائل اخلاقی کے آثار میں سے ہے اور اس کی سخت مذمت ہوئی ہے؛ لہٰذا خود امام حسینؑ نے کلمہ حق کی راہ میں تقیہ کے حدود کو توڑ کر شہادت کیلئے اپنے آپ کو تیار کیا۔[1]

جواب: اگر شیعوں میں نفسیاتی طور پر جبن، اضطراب اور خوف پایا جاتا تو ظالم بادشاہوں کے ساتھ ساز باز کرتے، اور کوئی جنگ یا جہاد کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ یہ لوگ بھی درباری ملاؤں کی طرح اپنے اپنے دور کے خلیفوں کے ہاں عزیز ہوتے اور تقیہ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

اس سے بڑھ کر کیا کوئی شجاعت اور بہادری ہے کہ جس دن اسلام کی رہبری اور امامت کا انتخاب ہونے والا تھا؛ اس دن لوگوں نے انحرافی راستہ اپناتے ہوئے نااہل افراد کو مسند خلافت پر بٹھا دیئے۔ اس دن سے لیکر اب تک شیعوں کا اور شیعوں کے رہنماؤں کا یہی نعرہ اور شعار رہا ہے کہ ہر طاغوتی طاقتوں کے ساتھ ٹکرانا ہے اور مظلوموں کی حمایت کرنا ہے اور اسلام سے بے گانہ افراد کی سازشوں کو فاش کرنا ہے۔

اگر چہ شیعہ مبنائے تقیہ پر حرکت کرتے ہیں؛ لیکن جہاں بھی اس بات کی ضرورت پیش

---

[1] دکتر علی سالوس؛ جامعہ قطر بین الشیعہ والسنہ، ص ۹۲۔

آئی کہ ظالم اور جابر کے خلاف آواز اٹھانا ہے ؛ وہاں شیعوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام اور مسلمین اور مظلوموں کی حمایت میں اپنا خون اور اپنے عزیزوں کی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

شیعوں کا آئیڈیل یہ ہے کہ اسلام ہمیشہ عظمت اور جلالت کے مسند پر قائم رہے اور امت اسلامی کے دل اور جان میں اسلامی عظمت اور عزت باقی رہے۔

اور یہ بھی مسلمان یاد رکھے! کہ تاریخ بشریت کا بہترین انقلاب؛ شیعہ انقلاب رہا ہے اور دنیا کے پاک اور شفاف ترین انقلابات ، جو منافقت ، دھوکہ بازی ،مکر وفریب اور طمع ولالچ سے پاک رہے؛ وہ شیعہ انقلابات ہیں۔

ہاں ان انقلابات میں مسلمان عوام اور حکومتوں کی عظمت اور عزت مجسم ہو چکی تھی اور طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں اس مکتب کے ماننے والوں کو عزت ملی اور شیعہ، طاغوتی طاقتوں اور حکومتوں کو برکات اور خیرات کا مظہر ماننا تو در کنار، بلکہ ان کے ساتھ ساز باز کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ہم کچھ انقلابات کا ذکر کریں گے، جن کو ائمہ طاہرینؑ نے سراہتے ہوئے ان کی کامیابی کے لئے دعا کی ہیں۔ کیونکہ کسی بھی قوم کی زندگی اور رمز بقا انہی انقلابات میں ہے۔جن میں سے بعض یہ ہیں:

☆ زید ابن علی رحمۃ اللہ علیہ کا انقلاب

☆ محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا حجاز میں انقلاب

☆ ابراہیم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بصرہ میں انقلاب

☆ محمد بن ابراہیم وابوالسرای ⁂ کا انقلاب

☆ محمد دیباج فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام کا انقلاب

☆ علی ابن محمد فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام کا انقلاب

اسی طرح دسیوں اور انقلابات ہیں، کہ جن کی وجہ سے عوام میں انقلاب اور شعور پید

اہوگئی ہے اور پوری قوم کی ضمیر اور وجدان کو جگایا ہے۔[1]

امامان معصومؑ ان انقلابات کو مبارک اور خیر وبرکت کا باعث سمجھتے تھے اور ان سپہ سالاروں کی تشویق کرتے تھے۔راوی کہتا ہے:

فَدَخَلْنَا عَلَى الصَّادِقِ ع وَ دَفَعْنَا إِلَيْهِ الْكِتَابَ فَقَرَأَ وَ بَكَى ثُمَّ قَالَ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ عِنْدَ اللَّهِ أَحْتَسِبُ عَمِّي إِنَّهُ كَانَ نِعْمَ الْعَمُّ إِنَّ عَمِّي كَانَ رَجُلًا لِدُنْيَانَا وَ آخِرَتِنَا مَضَى وَ اللَّهِ عَمِّي شَهِيداً كَشُهَدَاءَ اسْتُشْهِدُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ وَ عَلِيٍّ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ .[2]

جب امام صادق علیہ السلام کو زید ابن علی کی شہادت کی خبر ملی تو کلمہ استرجاع کے بعد فرمایا : میرے چچا واقعاً بہترین اور عزیز ترین چچا ہیں اور ہمارے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں چاہنے والے ہیں۔خدا کی قسم !میرے چچا ایسے شہید ہوئے ہیں، جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کے رکاب میں شہید ہو چکے ہوں۔خدا کی قسم !وہ شہید کی موت مرے ہیں۔

ایسے کلمات ائمہ معصومین G سے صادر ہوئے ہیں، اور یہ بہت دقیق تعبیریں ہیں کہ جو شیعہ تفکر کی عکاسی کرتی ہیں کہ ہر ظالم وجابر حکمران کو غاصب مانتے تھے اور ہر حاکم ،شیعہ کو اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ جانتا تھا۔

ہم زیادہ دور نہیں جاتے ، بلکہ اسی بیسویں صدی کا انقلاب اسلامی ایران پر نظر کریں؛ کیسا عظیم انقلاب تھا؟! کہ ساری دنیا کے ظالم وجابر؛ کافر ہو یا مسلمان؛ طاغوتی قوتیں سب مل کر اسلامی جمہوری ایران پر حملہ آور ہوئے ؛اگرچہ ظاہراًایران اور عراق کے درمیان جنگ تھی ،لیکن حقیقت میں اسلام اور کفر کے درمیان جنگ تھی۔ کیونکہ عالم کفر نے دیکھا کہ اگر کوئی آئین یا مکتب، ان کیلئے خطرناک ہے ،تو وہ اسلام ناب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے پیروی کرنے والے

[1] علی عباس موسوی؛ پاسخ شبہاتی پیرامون مکتب تشیع ،ص۹۷۔

[2] بحارالأنوار، ج۴۶ ،ص۱۷۵ باب۱۱-أحوال أولادہ وأزواجہ۔

ہیں۔ اسی لئے باطل طاقتیں اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ، اسلام ناب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمبردار یعنی خمینی بت شکن رحمۃ اللہ علیہ اوران کے انقلاب کوسرکوب کرنے پر اتر آئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل وخوار کیا اور جمہوری اسلامی ایران کی ایک فٹ زمین بھی چھین نہ سکے، جبکہ صدام نے مغرورانہ انداز میں کہا تھا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر تہران میں وارد ہونگے اورظہرانہ تہران میں جشن مناتے ہوئے کھائیں گے۔

آج پوری دنیا میں اگر اسلام کا کوئی وقار اور عزت نظر آتا ہے تو انقلاب اسلامی کی وجہ سے ہے۔

آئیں اس انقلاب سے بھی نزدیک تر دیکھتے ہیں کہ مکتب اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں نے کس طرح حقیقی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ بہادرانہ طور پر مقابلہ کیا اور دشمن کے سارے غرور کو خاک میں ملاتے ہوئے، شکست فاش دیا؟! میرا مقصد؛ شیعیان لبنان (حزب اللہ اور ان کے عظیم لیڈر، سید حسن نصر اللہ) ہیں۔ جو کردار خمینی بت شکن رحمۃ اللہ علیہ نے امریکا اور اسرائیل کے مقابلے میں دنیا کے مستضعفوں کی حاکمیت قائم کرنے میں ادا کیا، وہی کردار سید حسن نصر اللہ نے جنایت کار اور خون خوار اسرائیل کے ساتھ ادا کیا۔

مناسب ہے کہ اس بارے میں کچھ تفصیل بیان کروں، تاکہ دنیا کے انصاف پسند لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ تقیہ کے دائرے کو توڑ کر دشمن کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرنے والا کون تھا؟!

رہبر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تحقیر آمیز انداز میں اسرائیل کی حیثیت کو دنیا کے سامنے واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا: کہ اگر دنیا کے سارے مسلمان متحد ہوکر ایک ایک گلاس پانی پھینک دیں تو اسرائیل اس صفحی ہستی سے محو ہوجائے گا۔ دنیا کے بہت سارے دانشمندوں اور روشن فکروں نے اس بات کا مزاق اڑایا تھا، لیکن حزب اللہ لبنان کی تجربات اور مہارت نے یہ بات دنیا کے اوپر واضح کر دیا کہ اسرائیل کی حکومت ہزارون ایٹمی میزائیلوں اور

بموں اور جدید ترین ہتھیاروں کے رکھنے کے باوجود بھی ایک باایمان اور مختصر گروہ کے سامنے بے بس ہوکر اپنے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہوگئے اور شیشے کے در ودیوار والے محل اور بنگلوں میں رہنے والے چھوٹے چھوٹے فلسطینی بچوں کے غلیل کی زد میں آکر پریشان اور بےچین نظر آتے ہیں۔

آج پوری دنیا میں خمینی بت شکن رحمۃ اللہ علیہ کے افکار اور نظریات پھیل چکے ہیں؛ جس کا مصداق اور نمونہ اتم، سید حسن نصر اللہ اور حزب اللہ لبنان کی شکل میں نظر آتا ہے اور آپ کے اس فرمان کی ترجمانی کرتے ہوئے سید حسن نصر اللہ نے کہا:

واللہ انّ ھی (اسرائیل) وھن من بیت العنکبوت؛

خدا کی قسم یہ اسرائیل مکڑی کی جال سے بھی زیادہ نازک اور کمزور ہے۔ یہ کہہ کر امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملے (اسرائیل کو اس صفحہ ہستی سے مٹ جانا چاہئے) کی صحیح ترجمانی کی۔

ہاں! سید حسن نصر اللہ کیلئے یہی باعث فخر تھی کہ رہبر معظم ومرجع عالی قدر حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کے بازوں کا بوسہ لیتے ہوئے، دنیا پر واضح کررہے تھے کہ میں امام زمان (عج) کے نائب برحق کے شاگردوں میں سے ایک ادنی شاگرد ہوں۔ اس مرد مجاہد نے لبنان کے سارے بسنے والوں کو؛ خوہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان، شہادت طلبی کا ایسا درس دیا کہ سارے مرد ،عورت، چھوٹے بڑے نے ان کی باتوں پر لبیک کہہ کر کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی سربلندی کے لئے شہادت کی موت کو خوشی سے گلے لگائے۔ یہی حزب اللہ کی جیت کی اصل وجہ تھی اور یہ ثابت کردیا کہ مکتب اہل بیتؑ کے ماننے والا ہی رہبری کے لائق ہے۔

آج پورے دنیا والوں نے یہ محسوس کرلیا ہے، خصوصاً جوانوں نے، کہ حزب اللہ، شیعہ ہے، اور ان کی مکتب حقہ کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے لگے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حقیقی اسلام کی شناخت کیلئے دروازہ کھل گیا ہے۔

نیو یورک ٹائمز نے لکھا ہے کہ: سید حسن نصر اللہ نے اسرائیل کے ساتھ جنگ کرکے اپنی اور اپنی ٹیم کی شخصیت اور وقار کو حد سے زیادہ بلند و بالا کیا ہے اور جو چیز صفحہ تاریخ سے

مٹا دینے کے قابل ہیں، وہ مصر کا صدر جمال عبدالناصر کا یہودیوں کو سمندر میں پھینک دینے کا خالی اور کھوکھلا دعوا اور صدام کا آدھا اسرائیل کو جلانے کا جھوٹا ادعی تھا؛ ان دنوں صدام کے بڑے بڑے پوسٹرز پاکستان کے مختلف شہروں میں روڈوں پر بکنے لگے اور صدام کو صلاح الدین ایوبی کا لقب دینے لگے۔لیکن اس نے اسرائیل کے اوپر حملہ کرنے کے بجائے کویت پر حملہ کر کے مسلمانوں کا مال اور خزانہ لوٹ کر سب سے بڑا ڈاکو بن گیا۔

لیکن ان کے مقابلے میں دیکھ لو کہ سید حسن نصر اللہ، ۴۶ سالہ ایک روحانیت کے لباس میں محاذ جنگ پر ایک فوجی جرنیل کا کردار ادا کرتے ہوئے اپنی ٹیم کا کمانڈ کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔

یہ اخبار مزید لکھتا ہے کہ: وہ مشرق وسطی کا قدرتمند ترین انسان ہے۔یہ بات عرب مما لک کے کسی ایک وزیر اعظم کے مشیر نے اس وقت کہی کہ جب سید حسن نصر اللہ ٹی وی پر خطاب کر رہے تھے۔پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر کہتا ہے: حسن نصر اللہ ہی تمام عرب مما لک کے رہبر ہیں۔کیونکہ وہ جو جو وعدہ کرتا ہے اسے ضرور پورا کرتے ہیں۔

خود اسرائیل کے ذرائع ابلاغ نے اعلان کر دیا تھا کہ ۳۳ روزہ جنگ میں ۱۲۰ اسرائیلی فوج کو قتل اور ۴۰۰ کو شدید زخمی کر دیئے ، جن میں سے بھی اکثر مرنے کے قریب تھے۔اسی طرح ۵۰ یہودی دیہاتی بھی حزب اللہ کے میزائلوں کی زد میں آ کر مرے، اور ۲۵۰۰ افراد زخمی تھے۔حزب اللہ نے یہ کر دکھایا کہ اس مختصر مدت میں ۱۲۰ میرکاوا ٹینک، ۳۰ زرہی، ۲ آپاچی ہیلی کوپٹر کو منہدم کر دیا۔

غربی سیاستمداروں ، وایٹ ہاوس کے حکمران لوگ ، شروع میں حزب اللہ کی اس مقاومت اور مقابلے کو بہت ہی ناچیز اور کم سمجھ رہے تھے، اور ان کا یہ تصور تھا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر حزب اللہ پسپا ہو جائے گا، اور اسرائیل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔یہی وجہ تھی کہ پہلے دو ہفتے تک تو نہ اقوام متحدہ کی جانب سے اور نہ وائٹ ہاؤس کی جانب سے، اور نہ کوئی

سازمان کنفرانس اسلامی عرب لیگ کی جانب سے اعتراض ہوا، نہ اس جنگ کو روکنے کی بات ہوئی؛ صرف یہ لوگ تماشا دیکھتے رہے، اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ تھی کہ ایک دفعہ بھی اسرائیل کی ان جنایات اور غانا میں بچوں اور عورتوں کے قتل عام کرنے پر، ایک احتجاجی جلسہ بھی عرب لیگ میں منعقد نہیں ہوا!!۔

جب امریکہ کی وزیر خارجہ مس کونڈولا رائس سے جنگ بندی کیلئے تلاش کرنے کی اپیل کی؛ تاکہ لبنان خون خرابہ میں تبدیل نہ ہو؛ تو اس نے بڑی نزاکت کے ساتھ کہا تھا: کوئی بات نہیں، بچہ جننے کیلئے اس کی ماں کو درد زہ برداشت کرنا پڑتا ہے، اسی طرح ہم اس کرہ زمین پر ایک جدید مشرق وسطی کے وجود میں لانے کیلئے کوشان ہے، جس کا وجود میں آنے کیلئے کوئی ایک ملک (لبنان) خون خرابہ میں تبدیل ہو جائے، اور یہ ایک طبیعی چیز ہے!!

اس بیان کے جواب میں سید حسن نصر اللہ نے مناسب اور منہ توڑ جواب دیتے ہوئے کہا: ہم بھی اس ناجائز طریقے سے وجود میں آنے والے بچے کو دنیا میں قدم رکھتے ہی گلا دبا کر مار دیں گے۔

تیسرے ہفتے میں دھیمی دھیمی الفاظ میں بعض ممالک کے رہنماؤں اور سیاسی لیڈروں کے منہ کھلنے لگیں۔ اقوام متحدہ کے اٹارنی جنرل، جیسے طولانی خواب سے بیدار ہوا ہو، سمجھنے لگے کہ لبنان میں کوئی معمولی حادثہ رونما ہوا ہے،

تیسرے ہفتے کے آخر میں جب حزب اللہ، اسرائیل کے چار بحری کشتیوں کو منہدم کرنے میں کامیاب ہوئے، اور اسرائیل اپنے کسی بھی ایک ہدف کو پہنچ نہیں پایا؛ تو امریکہ؛ جو کسی بھی صورت میں شورائے امنیت کا جلسہ تشکیل دینے کیلئے حاضر نہ تھا، ایک دم وہ جنگ بندی کرنے کے خاطر اتفاق رائی کے ساتھ شق نمبر ۱۷۰۱ کے مطابق، میدان میں اتر آیا؛ کیونکہ اسرائیل نے امریکہ اور دوسرے ممالک کی طرف سے دیئے ہوئے تمام تر جدید میزائل، بم اور دوسرے سنگین اسلحے سے لیس ہونے کے باوجود؛ حزب اللہ کے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دیا تھا، اور مزید سیاسی

امداد کیلئے ہاتھ پھیلا رہا تھا۔ اس ضرورت کو امریکہ، قطع نامہ کے ذریعے جبران کرنا چاہتا تھا۔

مکتب اہل بیتؑ کے ماننے والوں کے یہ سارے انقلابات، شیعوں کی شجاعت، دلیری اور بہادری کو ثابت کرتی ہیں اور یہ سارے انقلابات، اپنی ذاتی مفاد کے خاطر نہیں تھیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو حاکم بنانا اور ظلم وستم کو ختم کرنا مقصود تھا۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض مسلم ممالک کے مفتی حضرات؛ جیسے سعودی عرب کے مفتی بن جبرین، اور مصر کے درباری ملا، طنطاوی، نے فتوادیئے تھے کہ حزب اللہ کا مدد کرنا، حتی ان کے لئے دعا کرنا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے؛ کیونکہ وہ لوگ شیعہ ہیں۔ اسی طرح سعودی حکومت بھی اسرائیل کے جنگی طیاروں کو لبنان پر حملہ کرنے کیلئے پیٹرول (فیول) دیتی رہی۔

اور جب مسلمانوں کی طرف سے یہ لوگ پریشر میں آئے تو اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی ملت اور قوم کے سامنے معافی مانگنے پر مجبور ہوگئے اور مفتی بن جبرین نے اپنے ویب سایٹ پر غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے معافی مانگا، اور کہا: جو کچھ مجھ سے پہلے نقل ہوئی ہے وہ میرا قدیم اور پرانا نظریہ تھا؛ ابھی میرا جدید نظریہ یہ ہے کہ یہ حزب اللہ، وہی حزب اللہ ہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور ہم انہیں دوست رکھتے ہیں اور ان کیلئے دعا بھی کرتے ہیں اور طنطاوی نے بھی جب جامعۃ الازہر کے اساتذہ نے ان کے اوپر اعتراض کئے تو ان کے سامنے کہا: جو کچھ میں نے پہلے بتایا تھا وہ میرا اپنا ذاتی نظریہ نہیں تھا بلکہ حکومت کی طرف سے کہلوایا تھا اور میرا ذاتی نظریہ ان کے بارے میں یہ ہے کہ حزب اللہ کے مجاہدین، اس وقت اسلام، مسلمین اور عرب امت کی عزت اور کرامت کے لئے اسرائیل کے ساتھ لڑ رہے ہیں، لہذا ان کی حمایت کرنا ضروری ہے۔

آج کے دور میں سارے عرب ممالک میں محبوب ترین اسلامی شخصیت، سید حسن نصر اللہ کو ٹھہرایا جاتا ہے اور ہر بچہ، جو پیدا ہوتا ہے؛ اس کا نام حسن نصر اللہ رکھ رہے ہیں۔ یہ بہت

دلچسپ بات تھی کہ اس سال جب ماہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا اور لوگ روزہ رکھنے لگے؛ مصر میں بہترین اوراعلی درجے کے خرما یا کھجور کا نام حسن نصر اللہ رکھا گیا؛ تا کہ روزہ دار، افطاری کے وقت حسن نصر اللہ کو دعائیں دیں اور خراب کھجور کا نام بش اور بلر رکھا گیا۔

یہ وہ تاریخی حقائق ہیں، جن سے کوئی بھی اہل انصاف انکار نہیں کرسکتا اوران حقیقتوں سے لوگ جب آشنا ہوجاتے ہیں تو خود بخود مذہب حقہ کی طرف مائل ہوجاتے ہیں، بشرطیکہ درباری ملاؤں کی طرف سے مسلمانوں کو کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہو۔

اب ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کوئی ایک نمونہ پیش کریں جو آپ کے کسی سیاسی یا مذہبی رہنما نے ایسا کوئی انقلاب برپا کیا ہو، اوراپنی شجاعت کا ثبوت دیا ہو، تا کہ ہم بھی ان کی پیروی کریں؟! اور ہمیں یقین ہے کہ وہ لوگ نہ اسلام سے پہلے اور نہ اسلام کے بعد، کوئی ایسی جوانمردی نہیں دکھا سکتے۔ کیونکہ انہیں اپنی جوان مردی دکھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی؛ جو ہمیشہ ظالم وجابر حکمرانوں کے کوڑوں اور تلواروں سے ہمیشہ محفوظ رہے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ ہمیشہ حاکموں کے ہم پیالہ بنتے رہے ہیں اوران کی ہر قسم کے ظلم وستم کی تائید کرتے رہے ہیں۔

جس کی وجہ سے تقیہ کا موضوع ہی منتفی ہوجاتا ہے۔

اگر شیعہ علما بھی ان کی طرح حکومت وقت کی حمایت کرتے اوران کے ہاں میں ہاں ملاتے رہتے تو ان کو بھی کبھی تقیہ کی ضرورت پیش نہ آتی۔ بلکہ ان کیلئے تقیہ جائز بھی نہ ہوتا، کیونکہ تقیہ جان اور مکتب کی حفاظت کے خاطر کیا جاتا ہے، اور جب ان کی طرف سے جان اور مال کی حفاظت کی گارنٹی مل جاتی تو، تقیہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

تقیہ کافروں سے کیا جاتا ہے نہ مسلمانوں سے

اشکال کرتے ہیں کہ تقیہ کافروں سے کیا جاتا ہے نہ مسلمانوں سے۔ کیونکہ قرآن مجید

میں تقیہ کا حکم کافروں سے کرنے کا ہے نہ مسلمانوں سے۔ چنانچہ فرمایا:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ۔ [1]

خبردار صاحبانِ ایمان! مومنین کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور سرپرست نہ بنائیں کہ جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور یہ تقیہ ابتدائے اسلام میں تھا، لیکن شیعہ حضرات، اہل حدیث سے تقیہ کرتے ہیں۔

پہلا جواب: یہ شیعیان حیدر کرارؑ کی مظلومیت تھی کہ جو مسلمانوں سے بھی تقیہ کرنے اور اپنا عقیدہ چھپانے پر مجبور ہوگئے اور یہ نام نہاد مسلمانوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اپنے اعمال اور کردار اور عقیدے پر نظر ثانی کرے؛ کہ جو کافروں والا کام اور برتاؤ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کرتا ہو، کیونکہ اگر تقیہ کرنے کی وجہ اور علت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ نتیجہ ایک نکلتا ہے، اور وہ دشمن کی شر سے دین، جان اور مال کی حفاظت کرنا ہے

دوسرا جواب: ظاہراً یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تقیہ ان کافروں سے کرنا جائز ہے جو تعداد یا طاقت کے لحاظ سے مسلمان سے زیادہ قوی ہو۔

لیکن شافعی مذہب کے مطابق اسلامی مختلف مکاتب فکر سے تقیہ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ شافعی کے نزدیک مجوز تقیہ، خطر ہے، خوہ یہ خطر کافروں سے ہو یا مسلمانوں سے ہو؛ کہ شیعہ، مسلمانوں کے ہاتھوں بہت سی سختیوں اور مشکلات کو تحمل کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور یہ مظلومیت ،شہادت علی ابن ابی طالبؑ کے بعد سے شروع ہوئی۔ ان دوران میں بنی امیہ کے کارندوں نے شیعہ مرد عورت، چھوٹے بڑے، حتی شیعوں کے کھیتوں اور حیوانات پر بھی رحم نہیں کیا۔ آخر کار

---

[1] سورہ مبارکہ آل عمران/ ۲۸۔

انہیں بھی آگ لگا دی گئی۔

جب معاویہ اریکہ قدرت پر بیٹھا تو شیعیان علیؑ کو سخت سے سخت قسم کی اذیتیں پہنچانا شروع کیا اوران کے اوپر زندگی تنگ کر دی اوراس نے اپنے ایک کارندے کو خط لکھا: میں علی اور اولادِ علیؑ کے فضائل بیان کرنے والوں سے اپنی ذمہ بری کرتا ہوں، یعنی انہیں نابود کروں گا۔

یہی خط تھا کہ جس کی وجہ سے ان کے نماز جماعت اور جمعے کے خطیبوں نے علی پر ممبروں سے لعن طعن کرتے ہوئے ان سے اظہار برائت کرنے لگے، یہ دور، کوفہ والوں پر بہت سخت گذری، کیونکہ اکثر کوفہ والے علی کے ماننے والے تھے۔ معاویہ نے زیاد بن سمیہ کو کوفہ اور بصرہ کی حکومت سپرد کی، یہ ملعون شیعوں کو خوب جانتا تھا، ایک ایک کر کے انہیں شہید کرنا، ہاتھ پیر، کان اور زبان کاٹنا، آنکھیں نکالنا اور شہر بدر کرنا شروع کیا۔

اس کے بعد ایک اور خط مختلف علاقوں میں باٹنا شروع کیا؛ جس میں اپنے کارندوں اور حکومت والوں کو حکم دیا گیا کہ شیعوں کی کوئی گوہی قبول نہ کریں۔ سب سے زیادہ دشواری اور سختی عراق، خصوصاً کوفہ والوں پر کی جاتی تھی؛ کیونکہ وہ لوگ اکثر شیعیان علی ابن ابی طالبؑ تھے۔ اگر یہ لوگ کسی معتبر شخص کے گھر چلا جائے تو ان کے غلاموں اور کنیزوں سے بھی احتیاط سے کام لینا پڑتا تھا؛ کیونکہ ان کے اوپر اعتماد نہیں کر سکتے تھے اور انہیں قسم دلاتے تھے کہ ان اسرار کو فاش نہیں کریں گے اور یہ حالت امام حسن مجتبیٰؑ کے دور تک باقی رہی، امام مجتبیٰؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ پر زندگی اور تنگ کر دی۔

عبدالملک مروان کی حکومت شروع ہوتے اور حجاج بن یوسف کے برسر اقتدار آتے ہی، دشمنان امیر المؤمنینؑ ہر جگہ پھیل گئے اور علیؑ کے دشمنوں کی سائن میں احادیث جعل کرنے، اور علیؑ کی سائن میں گستاخی کرنے لگے اور یہ جسارت اس قدر عروج پر تھا کہ عبدالملک بن قریب جو اصمعی کا دادا تھا؛ عبدالملک سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے امیر! میرے والدین نے مجھے عاق کر دیا ہے اور سزا کے طور پر میرا نام علی رکھا ہے۔ میرا کوئی مددگار نہیں، سوائے امیر کے۔ اس

وقت حجاج بن یوسف ہنسنے لگا اور کہا: جس سے تو متوسل ہوا ہے؛ اس کی وجہ سے تمھیں فلان جگہ کی حکومت دونگا۔

امام باقر علیہ السلام شیعوں کی مظلومیت اور بنی امیہ کے مظالم کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ سختی اور شدت معاویہ کے زمانے اور امام مجتبیٰؑ کی شہادت کے بعد اس قدر تھی کہ ہمارے شیعوں کو کسی بھی بہانے شہید کئے جاتے، ہاتھ پیر کاٹتے اور جو بھی ہماری محبت کا اظہار کرتے تھے، سب کو قید کر لیتے تھے اور ان کے اموال کو غارت کرتے تھے اور گھروں کو آگ لگائے جاتے تھے، یہ دشواری اور سختی اس وقت تک باقی رہی کہ عبید اللہ جو امام حسینؑ کا قاتل ہے کے زمانے میں حجاج بن یوسف اقتدار پر آیا تو سب کو گرفتار کر کے مختلف تہمتیں لگا کر شہید کئے گئے اور اگر کسی پر یہ گمان پیدا ہو جائے، کہ شیعہ ہے، تو اسے قتل کیا جاتا تھا۔[1]

یہ تو بنی امیہ کا دور تھا اور بنی عباس کا دور تو اس سے بھی زیادہ سخت دور، اہل بیت کے ماننے والوں پر آیا۔ چنانچہ شاعر نے علیؑ کے ماننے والوں کی زبانی یہ آرزو کی ہے، کہ اے کاش، بنی امیہ کا دور واپس پلٹ آتا!:[2]

فیالیت جور بنی مروان دام لنا
و کان عدل بنی العباس فی النار

اے کاش! بنی امیہ کا ظلم و ستم ابھی تک باقی رہتا اور بنی عباس کا عدل و انصاف جہنم کی آگ میں۔

جب منصور سن ۱۵۸ھ میں عازم حج ہوا کہ وہ اس کی زندگی کا آخری سال تھا؛ ریطہ جو اپنے بھائی سفاح کی بیٹی اور اپنے بیٹے کی بیوی (بہو) تھی، اسے اپنے پاس بلا کر سارے خزانے کی چابی اس کا حوالہ کیا، اور اسے قسم دلائی کہ اس کے خزانے کو کسی کیلئے بھی نہیں کھولے گی۔

---

[1] عباس موسوی؛ پاسخ وشبہاتی پیرامون مکتب تشیع، ص ۸۶۔

[2] ابن ابی الحدید؛ شرح او، ج ۱۱ ص ۴۴۔

اور کوئی ایک بھی اس کے راز سے باخبر نہ ہو، حتی اس کا بیٹا محمد بھی، لیکن جب اس کی موت کی خبر ملی تو محمد اور اس کی بیوی جا کر خزانے کا دروازہ کھولا، بہت ہی وسیع اور عریض کمروں میں پہنچے، جن میں علیؑ کے ماننے والوں کے کھوپڑیاں اور جسم کے ٹکڑے اور لاشیں ملیں اور ہر ایک کے کانوں میں کوئی چیز لٹکی ہوئی تھی کہ جس پر اس کا نام اور نسب مرقوم تھا۔ ان میں جوان، نوجوان اور بوڑھے سب شامل تھے۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین! ۔محمد نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ مضطرب ہوا اور اس نے حکم دیا کہ ان تمام لاشوں کو گودال کھود کر اس میں دفن کئے جائیں۔ [1]

بنی عباس کے بادشاہوں نے علیؑ کے فضائل بیان کرنے والے شاعروں کی زبان کاٹی ،اور ان کو زندہ در گور کئے اور جو پہلے مر چکے تھے ان کو قبروں سے نکال کر جسموں کو جلا دیئے گئے۔ ان سب کا صرف ایک ہی جرم تھا؛ اور وہ محبت علیؑ کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

شیعیان آفریقا، معاذ ابن بادیس کے دور میں سنہ ۴۰۷ھ میں سب کو شہید کئے گئے، اور حلب کے شیعوں کو بھی اسی طرح بے دردی سے شہید کئے گئے۔

اے اہل انصاف! خود بتائیں کہ ان تمام سختیوں، قید و بند کی صعوبتوں اور قتل وغارت، کے مقابلے میں اس مظلوم گروہ نے اگر تقیہ کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش کی، تو کیا انہوں نے کوئی جرم کیا؟!!

اور یہ بتائیں کہ کون سا گروہ یا فرقہ ہے؛ جس نے شیعوں کی طرح اتنی سختیوں کو برداشت کیا ہو؟!!

---

[1] عباس موسوی؛ پاسخ وشبہاتی پیرامون مکتب تشیع ،ص ۸۷۔

تتمہ

وہ لوگ خود قابل مذمت ہیں

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تقیہ کہاں واجب ہے؟ کہاں مستحب ہے؟ اور کہاں حرام ہے؟اور کہاں مکروہ ومباح؟ یہاں ہم بطور خلاصہ ان موارد کو بیان کریں گے تاکہ مکمل طور پر واضح ہوسکے:

تقیہ کا واجب ہونا:

تقیہ کرنا اس وقت واجب ہوجاتا ہے کہ بغیر کسی فائدے کے، اپنی جان خطرے میں پڑ جائے۔

تقیہ کا مباح ہونا:

تقیہ اس صورت میں مباح ہوجاتا ہے کہ اس کا ترک کرنا ایک قسم کا دفاع اور حق کی تقویت کا باعث ہو۔ایسے مواقع پر انسان فداکاری کر کے اپنی جان بھی دے سکتا ہے،اسی طرح اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حق سے دست بردار ہوکر اپنی جان بچائے۔

تقیہ کا حرام ہونا:

اس صورت میں تقیہ کرنا حرام ہوجاتا ہے کہ اگر تقیہ کرنا، باطل کی ترویج، گمراہی کا سبب،اور ظلم وستم کی تقویت کا باعث بنتا ہو۔ایسے موقعوں پر جان کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے اور تقیہ کو

ترک کرنا چاہئے اور ہر قسم کی خطرات اور مشکلات کو تحمل کرنا چاہئے۔

ان بیانات سے واضح ہوا کہ تقیہ کی حقیقت کیا ہے اور شیعوں کا عقلی اور منطقی نظریہ سے بھی واقف ہوجاتا ہے، اس ضمن میں اگر کوئی تقیہ کی وجہ سے ملامت اور مذمت کرنے کے لائق ہے تو وہ تقیہ کرنے پر مجبور کرنے والے ہیں، کہ کیوں آخر اپنی کم علمی کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کے جان و مال کے درپے ہوگئے ہو؟ اور تقیہ کرنے پر ان کو مجبور کرتے ہو؟!! پس وہ لوگ خود قابل مذمت ہیں، نہ یہ لوگ۔ کیونکہ تاریخ کے اوراق یہ بتاتے ہیں کہ معاویہ نے جب حکومت اسلامی کی باگ دوڑ مسلمانوں کی رضایت کے بغیر سنبھال لی تو اس کی خودخواہی اس قدر بڑھ گئی کہ جسطرح چاہے اور جو چاہے، اسلامی احکام کے ساتھ کھیلتا تھا، اور کسی سے بھی خوف نہیں کھاتے، حتی خدا سے بھی!! خصوصاً شیعیان علی ابن ابیطالبؑ کا پیچھا کرتے تھے، ان کو جہاں بھی ملے قتل کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر کسی پر یہ شبہہ پیدا ہوجائے کہ یہ شیعہ ہے تو اسے بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ بنی امیہ اور بنی مروان نے بھی اسی راہ کو انتخاب کیا اور ادامہ رکھا۔ بنی عباس کی نوبت آئی تو انہوں نے بھی بنی امیہ کے مظالم اور جنایات کو نہ صرف تکرار کیا بلکہ ظلم وستم کا ایک اور باب کھولا، جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ایسے میں شیعہ تقیہ کرنے کے سوا کیا کچھ کر سکتے تھے؟ یہی وجہ تھی کہ کبھی اپنا عقیدہ چھپاتے اور کبھی اپنے عقیدے کو ظاہر کرتے تھے۔ جس طریقے سے حق اور حقیقت کا دفاع ہوسکتا تھا اور ضلالت اور گمراہی کو دور کرسکتا تھا۔ ایسے موارد میں شیعہ اپنا عقیدہ نہیں چھپاتے تھے، تا کہ لوگوں پر اتمام حجت ہوجائے۔ اور حقانیت لوگوں پر مخفی نہ رہ جائے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری بہت ساری ہستیاں اپنے دور میں تقیہ کو کلی طور پر پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی جانوں کو راہ خدا میں قربان کئے، اور ظالموں کے قربان گاہوں اور پھانسی کے پھندوں تک جانے کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھنے لگے۔

تاریخ کبھی بھی مجعذراء (شام کے ایک دیہات کا نام ہے) کے شہداء کو فراموش نہیں

کرے گی۔ یہ لوگ چودہ افراد تھے جو بزرگان شیعہ میں سے تھے، جن کے سربراہ وہی صحابی رسول تھے جو زہد وتقوی اور عبادت کی وجہ سے جسم نحیف ہو چکے تھے اور وہ کون تھا؟ وہ عظیم نامور حجر بن عدی کندی تھا، شام کو فتح کرنے والی فوج کے سپہ سالاروں میں سے تھے۔

لیکن معاویہ نے ان چودہ افراد کو سخت اذیتیں دے کر شہید کیا اور اس کے بعد کہا: میں نے جس جس کو بھی قتل کیا، اس کی وجہ جانتا ہوں؛ سوائے حجر بن عدی کے، کہ اس کا کیا جرم تھا؟!

ابن زیاد بن ابیہ جو بدکار عورت سمیہ کا بیٹا تھا؛ شراب فروش ابی مریم کی گوہی کی بنا پر معاویہ نے اسے اپنا بھائی کہہ کر اپنے باپ کی طرف منسوب کیا؛ اسی زیاد نے حکم دیا کہ رشید حجری کو علیؑ کی محبت اور دوستی کے جرم میں، ان کے ہاتھ پیر اور زبان کاٹ دیئے جائیں اور ایک درخت کے ٹہنی کے سولی پر چڑھائے گئے۔

ابن زیاد جو اسی زنا زادہ کا بیٹا تھا، نے علی کے دوستدار میثم تمار کو مار پیٹ کے بعد اسے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اور زبان کو کاٹ کر تین دن تک کھجور کے اس سوکھے ٹہنی پر لٹکائے رکھا، جس کی جب سے مولا نے پیشن گوئی کی تھی اس وقت سے اس تنے کو پانی دیتا رہا تھا، اور تین دن بعد اسے بے دردی سے شہید کیا گیا۔[1]

اے اہل انصاف! اب خود بتائیں کہ ظلم وستم کے ان تمام واقعات میں کون زیادہ قابل مذمت ہے؟! کیوہ گروہ جسے تقیہ کرنے اور اپنا عقیدہ چھپانے پر مجبور کیا گیا ہو یا وہ گروہ جو اپنے دوسرے مسلمانوں کو تقیہ کرنے اور عقیدہ چھپانے پر مجبور کرتے ہوں؟! دوسرے لفظوں میں مظلوموں کا گروہ قابل مذمت ہے یا ظالوں کا گروہ؟!

ہر عاقل اور باانصاف انسان کہے گا: یقیناً دوسرا گروہ ہی قابل مذمت ہے۔

آقائے کاشف الغطاء رحمۃ اللہ علیہ دوسروں کو تقیہ کرنے پر مجبور کرنے والوں سے سوال کرتے ہیں اور جواب دیتے ہیں: کیا رسول خدا کے صحابی عمر بن حمق خزاعی اور عبدالرحمن ابن

---

[1] شیعہ می پرسد، ص ۲۹۰۔

حسانی، زیاد کے ہاتھوں، قس الناطف ‹‹ میں زندہ درگور کئے جانے کوفراموش کر سکتے ہیں؟!!

کیا میثم تمار، رشید ہجری اور عبداللہ بن یقطر جیسی ہستیوں کو ابن زیادہ نے جس طرح بے دردی سے سولی پر چڑاکر شہید کیا؛ قابل فراموش ہے؟!

ان جیسے اور سینکڑوں علیؑ کے ماننے والے تاریخ میں ملیں گے جنہوں نے اپنی پیاری جانوں کو اللہ کی راہ میں فنا کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ تقیہ کہاں استعمال کرنا ہے اور کہاں ترک کرنا ہے۔ یہ لوگ بعض مواقع میں تقیہ کو اپنے آپ پر حرام سمجھتے تھے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ ان موارد میں تقیہ کرتے تو حق اور حقیقت بالکل ختم ہوجاتا۔

آقائے کاشف الغطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں معاویہ سے یہی پوچھوں گا کہ حجر بن عدی کا کیا قصور تھا اور اس کا کیا جرم تھا؟ سوائے علیؑ کی محبت اور مودت کے، جس سے اس کا دل لبریز تھا۔ اس نے تقیہ کو کنارر کھتے ہوئے بنی امیہ کا اسلام سے کوئی رابطہ نہ ہونے کو لوگوں پر آشکار کردیا تھا۔ ہاں اس کا اگر کوئی گناہ تھا تو وہ حق بات کا اظہار کرنا اپنے لئے سعادت سمجھتا تھا اور یہی اس کا مقدس اور اہم ہدف تھا، جس کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ دینے سے دریغ نہیں کیا۔ [1]

ابن اثیر لکھتا ہے کہ حجر بن عدی کے دو دوست کو پکڑ کر شام میں معاویہ کے پاس روانہ کیا گیا؛ معاویہ نے ایک سے سوال کیا: علی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟!

اس نے کہا: وہی، جو تو کہتا ہے۔

معاویہ نے کہا: میں ان سے اور ان کے دین سے کہ جس کی وہ پیروی کرتا ہے، اور اس خدا سے کہ جس کی وہ پرستش کرتا ہے، بیزار ہوں۔

وہ شخص خاموش رہا۔ اس مجلس میں موجود بعض لوگوں نے ان کی سفارش کی، اور معاویہ نے بھی ان کی سفارش قبول کر لی اور اسے آزاد کردیا۔ لیکن اسے شہر بدر کر کے موصل میں بھیجا گیا۔

---

[1] این است آئین ما، ص ۳۶۸۔

معاویہ نے دوسرے سے سوال کیا: تو علی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو، نہ پوچھے تو تمھارے لئے بہتر ہے۔

معاویہ نے کہا: خدا کی قسم تمہیں جواب دیئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

اس مرد مجاہد نے کہا: میں گوہی دیتا ہوں علی بن ابیطالبؑ ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے تھے اور حق بات کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے، عدل اور عدالت کے قیام کے لئے کوشان تھے، علیؑ ان میں سے تھے جو لوگوں کی دادو فریاد سنتے تھے،۔۔۔اس طرح وہ فضائل علی بیان کرتے گئے اور لوگ انہیں داد دیتے گئے۔ یہاں تک کہ معاویہ نے کہا: تو نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔

اس محب علیؑ نے کہا: بلکہ میں نے تجھے بھی ہلاک کیا، یعنی لوگوں کے سامنے تجھے بھی ذلیل وخوار کیا۔

معاویہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو زیاد بن ابیہ کے پاس واپس بھیج دو، تا کہ وہ اسے بدترین حالت میں قتل کرے!

زیاد بن ابیہ ملعون نے بھی اس محب علی کو زندہ در گور کیا۔

اگر یہ لوگ تقیہ کرتے تو لوگوں تک علیؑ کے فضائل بیان نہ ہوتے ، اور دین اسلام معاویہ، یزیداور ابن زیاد والا دین بن کر رہ جاتا۔یعنی ایسا دین ؛ جو ہر قسم کے رزائل ، جیسے مکرو فریب ، خیانت ومنافقت، ظلم و بربریت ،۔۔۔کا منبع ہو اور یہ دین کہاں اور وہ دین جو تمام فضلیتوں کا منبع ہو، کہ جسے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لایا اور علی اور اولاد علی نے بچایا اور ان کے دوستداروں نے قیامت تک کیلئے حفاظت کی ؛ کہاں ؟!!!

ہاں یہ لوگ راہ حق اور فضیلت میں شہید ہونے والے ہیں۔جن میں سے ایک گروہ شہدائے طف ہیں، جن کا سپہ سالار حسین رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے کبھی بھی ظلم وستم کو برداشت نہیں کیا ، بلکہ ظالموں کے مقابلے میں بڑی شجاعت اور شہامت کے ساتھ جنگ کیں، اور تقیہ کو اپنے اوپر

حرام قرار دیا ہوا تھا۔

اب ان کے مقابلے میں بعض علیؑ کے ماننے والے تقیہ کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ شرائط، اوضاع واحوال اور محیط فرق کرتا تھا۔ بعض جگہوں پر مباح، یا جائز سمجھتے تھے اور بعض جگہوں پر واجب یا حرام یا مکروہ۔

اب ہم مسلمانوں سے یہی کہیں گے کہ آپ لوگ دوسرے مسلمانوں کو تقیہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ شیعہ تقیہ کیوں کرتے ہیں؟ آپ کوئی ایسا کام نہ کریں، کہ دوسرے مسلمان تقیہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

ان لوگوں کو کیا غم ؟!

چالیس ہجری سے لیکر اب تک شیعہ اور ان کے اماموں نے رنج و الم، اذیت اور آزار میں زندگی کیں۔ کسی نے زندگی کا بیشتر حصہ قید خانوں میں گذاری، کسی کو تیر اور تلوار سے شہید کیا گیا، تو کسی کو زہر دیکر شہید کیا گیا۔ ان مظالم کی وجہ سے تقیہ کرنے پر بھی مجبور ہو جاتے تھے۔

لیکن دوسرے لوگ معاویہ کی برکت سے سلسلہ بنی امیہ کے طویل وعریض دسترخوان پر لطف اندوز ہوتے رہے، اس کے علوہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے جوائز اور انعامات سے بھی مالا مال ہوتے رہے، اور بنی عباس کے دور میں بھی یہ برکتوں والا دسترخوان ان کیلئے بچھے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان نام نہاد اور ظالم وجابر لوگوں کو بھی اولی الامر اور واجب الاطاعۃ سمجھتے رہے۔ اس طرح یزید پلید، ولید ملعون اور حجاج خونخوار کو بھی خلفائے راشدین میں شامل کرتے رہے۔

خدایا! ان کی عقل کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ لوگ دوست کو بھی رضی اللہ اور دشمن کو بھی رضی اللہ۔

علیؑ کو بھی خلیفہ اور معاویہ کو بھی خلیفہ مانتے ہیں، جب کہ ان دونوں میں سے ایک برحق ہوسکتا ہے۔ اگر کہے کہ ان کے درمیان سیاسی اختلاف تھا؛ تو سب سے زیادہ طولانی جنگ مسلمانوں کے درمیان ہوئی، جنگ صفین ہے، جس میں سینکڑون مسلمان مارے گئے اور جہاں مسلمانوں کا قتل عام ہورہا ہو؛ اسے معمولی یا سیاسی اختلاف سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح یزید کو بھی رضی اللہ اور حسین کو بھی رضی اللہ، عمر بن عبدالعزیز کو بھی رضی اللہ اور متوکل عباسی اور معتصم کو بھی رضی اللہ؟ یعنی دونوں طرف کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف اور قانون ہے؟ اور کون سا عاقلانہ کام ہے؟

جائے سوال یہاں ہے کہ کیا یہ لوگ بھی کوئی رنج والم دیکھیں گے؟!

لیکن اس بارے میں امامیہ کا کیا عقیدہ ہے؟ ذرا سن لیں: شیعہ اسے اپنا امام اور خلیفہ رسول مانتے ہیں اللہ اور رسول کی جانب سے معین ہوا ہو، نہ لوگوں کے ووٹ سے۔ اس سلسلے میں بہت لمبی بحث ہے، جس کیلئے ایک نئی کتاب کی ضرورت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعہ ہرکس وناکس کو خلیفہ رسول نہیں مانتے؛ بلکہ ایسے شخص کو خلیفہ رسول مانتے ہیں، جو خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح معصوم ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے ہم تقیہ کے قائل ہیں، لیکن ہم پر اعتراض کرنے والے ہمیشہ حاکم وقت کی چاپلوسی کرنے میں مصروف ہیں اور آپ کوئی ایک مورد دکھائیں، کہ جس میں اپنے کوئی رہبر یا عالم، ظالم وجابر خلیفے یا حاکم کو نہی عن المنکر کرتے ہوئے اسے ناراض کیا ہو؟!

اس کے باوجود کہ آپ کے بہت سے علما جو درباری اور تنخواہ دار تھے، جب بنی امیہ کا حاکم ولید، بقول آپ کے، امیر المومنین مستی اور نشے کی حالت میں مسجد میں نماز جماعت کراتا ہے اور محراب عبادت کو شراب کی بدبو سے آلودہ کرتا ہے اور صبح کی نماز چار رکعت پڑھ لیتا ہے، جب لوگ کانافوسی کرنے لگتے ہیں تو وہ پیچھے مڑ کر کہتا ہے: اگر کم ہوا تو اور چار رکعت پڑھا دوں؟! کوئی بھی حالت تقیہ سے نکل کر اسے روکنے یا نہی عن المنکر کرنے والا نہیں ہوتا۔

اگر علیؑ کے ہزاروں شیعوں کا حجاج بن یوسف خونخوار تمہاری نگاہوں میں اولوالامر ہے، کے ساتھ گفتگو سننا چاہتے ہو تو معلوم ہو جائے گا کہ کن کن ہستیوں نے اس ظالم و جابر کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی؟!

بڑے بڑے دانشمندوں جیسے شہید اول محمد بن مکی عاملی، کو پہلے تلوار سے شہید کیا گیا، پھر لاش کو سولی پر لٹکا رکھا، پھر اسے دمشق کے قلعے میں لے جا کر جلایا گیا۔

اسی طرح شہید ثانی زین الدین بن علی عاملی کو شہید کیا گیا۔

قاضی نور اللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ جو شہید ثالث کے نام سے معروف ہے، اسے ہندوستان میں شہید کیا گیا۔ [1]

سید نصر اللہ حائری رحمۃ اللہ علیہ جو نادر بادشاہ کا سفیر تھا، جو صرف اور صرف شیعہ ہونے کی وجہ سے شہید کیا گیا اور صدام نے دس لاکھ سے زیادہ شیعوں کا قتل عام کیا اور بہت سے لوگوں کا پورا گھرانہ تباہ کیا۔

ان تمام مظالم، جرم، قتل و غارت گری کے باوجود یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ شیعہ تقیہ کیوں کرتے ہیں ؟! جب کہ اس سے پہلے اپنے آپ سے پوچھنا چاہئے کہ شیعوں کو تقیہ کرنے پر مجبور کیوں کرتے ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ اللہ پاک ہم سب کو راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور جو بھی ہدایت کے طلب گار ہیں انہیں ہدایت کے راستے پر گامزن فرما۔

آمین

---

[1] محب الاسلام؛ شیعہ می پرسد، ج ۲، ص ۲۹۳۔

کتاب نامہ

القرآن الکریم

١۔آلوسی سید محمود، ابوالفضل؛ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، دارالکتب العلمیہ ۔ بیروت، چاپ اول، ١٤١٥ق۔

٢۔ابن ابی الحدید؛ شرح نہج البلاغہ، تحقیق، محمد أبوالفضل ابراہیم، ناشر: دار إحیاء الکتب العربیۃ ١٣٧٨۔

٣۔ابن الجوزی، م ٥٩٧؛ زاد المسیر، تحقیق: محمد بن عبد الرحمن عبد اللہ، دار الفکر، چ ١٤٠٧۔

٤۔ابن تیمیہ؛ منہاج السنہ النبویہ فی نقض الشیعہ والقدریہ، مکتبہ الخیاط، بیروت۔

٥۔ابن حزم؛ اَلْمُحَلّٰی بِالآثارِ، مکتبۃ الشاملہ نرم افزار۔

٦۔ابن عربی، تحقیق: محمد عبدالقادر عطا؛ احکام القرآن؛ ناشر: دارالفکر للطباعۃ والنشر۔

٧۔ابن کثیر، اسماعیل بن عمرو؛ تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: محمد حسین شمس الدین، دار الکتب العلمیۃ، منشورات: بیروت، ١٤١٩۔

٨۔ابن منظور، جمال الدین؛ لسان العرب، نشر ادب الحفدہ، ١٤٠٥۔

٩۔ابن ہشام؛ السنۃ النبویہ،

١٠۔أبونعیم أحمد بن عبداللہ الأصبہانی؛ حیلۃ الاولیاء وطبقات الأصفیاء دار الکتاب العربی بیروت، ١٤٠٥۔

۱۱۔احسان الٰہی، ظہیر؛ السنہ والشیعہ ۔ پاکستان۔

۱۲۔امینی، عبدالحسین؛ الغدیر، چ ۲، تہران، ۱۳۳۶۔

۱۳۔بیہقی؛ نیشاپوری؛ مناقب الشافعی؛

۱۴۔پیشوائی، مہدی؛ سیرہ پیشوایان، مؤسسہ امام صادق، قم، ۱۳۷۶۔

۱۵۔التقیہ فی رحاب العلمین (شیخ انصاری و امام خمینی)، الامانۃ العامہ للمؤتمر، ۱۳۷۳۔

۱۶۔جعفر سبحانی، تنقیح المقال فی علم الرجال، قم

۱۷۔ثامر ہاشم العمیدی؛ تقیہ از دیدگاہ مذاہب وفرقہ ہای اسلامی غیر شیعی، مترجم سید محمد صادق عارف، آستان رضوی، مشہد، ۱۳۷۷۔

۱۸۔ثقۃ الاسلام کلینی، الکافی، ۸ جلد، دار الکتب ال إسلامیۃ تہران، ۱۳٦٥ ہجری شمسی

۱۹۔جعفر سبحانی؛ مع الشیعہ الامامیہ فی عقائدہم، حوزہ علمیہ قم۔

۲۰۔حجتی، محمد باقر؛ تاریخ قرآن کریم، نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۶۰۔

۲۱۔حر عاملی، محمد بن الحسن؛ وسائل الشیعہ، اسلامیہ، تہران، ۱۳۸۷ ھ

۲۲۔داوود؛ ترجمہ الطرائف، چ ۲، نوید اسلام، قم، ۱۳۷۴ ش۔

۲۳۔دکتر ناصر بن عبداللہ؛ اصول مذہب شیعہ

۲٤۔سالوس، علی؛ بین الشیعہ والسنہ، دار الاعتصام، قاہرہ۔ موسسہ الہادی؛

۲٥۔سید علی بن موسی بن طاوس؛ الطرائف، چاپخانہ خیام قم، ۱٤۰۰ ہجری قمری

۲٦۔السید محمد صادق الروحانی؛ فقہ الصادقؑ، ناشر مؤسسۃ دار الکتاب قم، ۱٤۱۲۔

۲۷۔سیوطی؛ الاشباہ والنظایر فی قواعد وفروع الفقہ الشافعی؛

۲۸۔شیخ انصاری، مرتضی؛ رسائل و مکاسب، جامع المدرسین، ۱۳۷۵۔

۲۹۔شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ٤ جلد، انتشارات جامعہ مدرسین قم، ۱٤۱۳ ہجری قمری

۳۰۔شیخ مفید؛تصحیح اعتقادات ال إمامیۃ (٤١٣ (تحقیق :حسین درگاہی چ ۲ ناشر: دار المفید، بیروت،لبنان ١٤١٤۔

۳۱۔طبری ابوجعفرمحمد بن جریر؛ جامع البیان فی تفسیر القرآن،دارالمعرفہ: بیروت:١٤١٢ ق۔

۳۲۔عبداللہ بن قدامہ؛ المغنی،م٦٢٠، چ، جدید،ناشر دار الکتاب العربی ، بیروت ، لبنان۔

۳۳۔عروسی ،حویزی عبدعلی بن جمعہ؛تفسیرنورالثقلین،انتشارات اسماعیلیان،قم،١٤١٥ ق۔

۳٤۔علامہ مجلسی، بحارالأنوار،١١٠ جلد،مؤسسۃ الوفاء بیروت ۔لبنان،١٤٠٤ہجری قمری

۳۵۔علوی، عادل؛التقیہ بین الاعلام،مؤسسہ اسلامیہ،قم،۱۴۱۵۔

۳٦۔علی تہرانی؛تقیہ دراسلام،انتشارات طباطبائی،۱۳۵۲۔

۳۷۔غزالی؛احیاءعلوم الدین،

۳۸۔غفاری؛اصول مذہب الشیعہ الامامیہ،۱۴۱۵۔

۳۹۔فخررازی؛المحصول،تحقیق: دکتورطہ جابرفیاض،الثانیۃ،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ١٤١٢،

٤٠۔قاضی دمشقی؛شرح العقیدہ الطحاویہ،

٤١۔کاشف الغطاء،محمدحسین؛این است آئین ما،انتشارات سعدی،تبریز،۱۳۴۷۔

٤٢۔کمال جوادی؛فہرست ایرادات وشبہات علیہ شیعیان درہندوپاکستان،

٤٣۔ مالک بن انس ؛ المدونۃ الکبری،مطبعۃ السعادۃ،دار احیاء التراث، بیروت ، لبنان۔

٤٤۔مجلہ نورعلم،ش ۵۱۵۰،ص ۲۵۲۴۔

٤٥۔محب السلام؛شیعہ می پرسد،بی نا،تہران،۱۳۹۸۔

٤٦۔محسن امین،عاملی؛نقض الوشیعہ،

٤٧۔محمد بن اسماعیل،بخاری؛صحیح بخاری،دارالطباعۃ العامرہ استانبول،دارالفکر،۱۴۰۱ھ

٤٨۔محمد بن مکی عاملی(٧٨٦ھ ق)؛القواعد والفوائد،:ناشر: کتابفروشی مفید چاپ۱:قم۔ایران۔

٤٩۔معلمی،محمد علی؛التقیہ فی فقہ اہل البیت،تقریرات آیۃ اللہ مسلم الداوری،قم،۱۴۱۹۔

٥٠۔مکارم شیرازی،ناصر؛تقیہ سپری برای مبارزہ عمیقتر،مطبوعاتی صدف،قم،بی تا۔

٥١۔موسوی،علی عباس؛ پاسخ وشبہاتی پیرامون مکتب تشیع ، سازمان تبلیغات،قم،۱۳۷۱۔

٥٢۔موسوی،موسی؛الشیعہ والتصحیح،طبع لوس انجلوس،۱۹۸۷۔

٥٣۔نعمت اللہ صفری؛نقش تقیہ در استنباط،بوستان کتاب قم،۱۳۸۱۔

٥٤۔نوبختی؛فرق الشیعہ،

٥٥۔یزدی،محمود؛اندیشہ ہای کلامی شیخ طوسی،دانشگاہ رضویہ،۱۳۷۸۔

٥٦۔یعقوبی،ابن الواضح؛تاریخ یعقوبی،مکتبہ المرتضویہ،عراق،النجف۔